

# قلندرشعور

خواجہ شمس الدین عظیمی

29  
ق  
119



Marfat.com

DATA ENTRY

# قلندر شعور

خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمی بکس اسلام آباد

ماہنامہ قلندر شعور

0300-4256712

مکتبہ روزگاری ڈائجسٹ

۲  
297.62

985

119303

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر:	مکتبہ روحانی ڈائجسٹ
	1-D, 1/7 ناظم آباد کراچی۔ 74600
طابع:	روحانی ڈائجسٹ پرنٹرز
قیمت:	80/= روپے

ایسی ہے بڑی ہے وہر فریاد نہ کر  
 جو کچھ کہ گزر گیا اُسے یاد نہ کر  
 دوچار نفسِ عمری ہے تجھ کو  
 دوچار نفسِ عمر کو بر یاد نہ کر

(قلندر بابا اولیاء)

# فہرست

۲۵	بجلی کی دریافت سے پہلے	۱۰	معرفت کی مشعل
۲۵	بارش کی آواز	۱۰	فلندر کا مقام
۲۵	منافق لومطری	۱۲	جسم اور روح
۲۶	کیلے کے باغات	۱۳	حیاتی جاگتی تصویر
۲۶	ایک ترکیب	۱۴	ذات کا مطالعہ
۲۷	شیر کی عقیدت	۱۶	تخلیقی سانچے
۲۸	انا کی لہریں	۱۸	جنسی کشش کا قانون
۲۹	خاموش گفتگو	۲۰	ظاہر اور باطن
۲۹	ایک لاشعور	۲۲	نوعی اشتراک
۳۰	مثالی معاشرہ	۲۲	زمین و وز جو ہے
۳۳	فہم و فراست	۲۳	طاقت و حیثیات
۳۴	عقل مند چیونٹی	۲۴	سرخ رساں کتے
۳۴	فرماں روا چیونٹی	۲۴	انڈوں کی تقسیم
۳۵	شہد کیسے بنتا ہے		
۳۶	شہد بھری چیونٹی		

۵۱	وہابیوں کی سوجھ بوجھ
۵۵	اسباق کی دستاویز
۵۷	قومی اور انفرادی زندگی
۵۹	انبیاء کی طرز فکر
۶۱	اللہ کی عادت
۶۳	عمل اور نیت
۶۵	زمین کے اندر بیج کی نشوونما
۶۵	اللہ کی ذیلی تخلیق
۶۶	صحیح تعریف
۶۷	کائنات کی رکنیت
۶۸	جنت دوزخ
۶۹	توکل اور بھروسہ
۷۲	قلندر شعور اکول
۷۲	سونہ کھاؤ
۷۳	آٹومیٹک مشین
۷۵	انسان، وقت اور کھلونا
۷۷	آسمان سے نوٹ گرا
۷۹	سامٹھ روپے
۷۹	گاوں میں مرغ پلاؤ

۲۷	باغبان چوہنٹیاں
۳۷	مزدور چوہنٹیاں
۳۷	انجینئر چوہنٹیاں
۳۸	درزی چوہنٹیاں
۳۸	سائنس دان چوہنٹیاں

## ٹائم سسٹم اپنی سے آزاد چوہنٹیاں

۳۹	فاسد پرندہ
۴۲	پہروں پر سنسر

## ایجادات کا قانون

۴۵	لازمانیت TIMELESSNESS
۴۶	جہلی اور فطری تقاضے

## استغناء

۵۰	کائناتی فلم
۵۱	ظرف اور مقدر
۵۲	سات چور

۱۰۲ — کائنات پر حکمرانی

۱۰۲ — روشنی کی چار نہریں

۱۰۴ — نیابت اور خلافت

۱۰۵ — آدم اور ملائکہ

۱۰۷ — دُوربین آنکھ

۱۰۸ — گوشت پوست کا وجود

۱۰۹ — اللہ میاں کی جبل

۱۱۲ — روحانی بغداد کی قاعدہ

۱۱۲ — رُوح اور کمپیوٹر

۱۱۷ — سائنس اور ترقی عادت

۱۱۹ — قانون

۱۲۱ — معاشرہ اور عقیدہ

۱۲۲ — دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ

۱۲۲ — مذہب

۷۹ — مچھلی مل جائے گی

۸۰ — پرندوں کا رزق

۸۱ — درخت اور گھاس

۸۲ — مزدور برادری

۸۲ — آدم اور تواریخ کی تخلیق

۸۵ — لہروں کا نظام

۸۷ — رنگوں کی دُنیا

۸۹ — روشنیوں کے چھ قمقمے

۹۰ — ترک دُنیا کیا ہے

۹۲ — زمان اور مکاں

۹۳ — خواب اور مراقبہ

۹۳ — مراقبہ کی قسمیں

۹۵ — زندگی ایک اطلاع ہے

۹۷ — مراقبہ کی چار کلاسیں

۹۸ — پیدا ہونے سے پہلے کی زندگی

۹۹ — چھپا ہوا شہزادہ

۱۰۰ — لوح محفوظ



زندگی میں سائنس کا عمل دخل

۱۲۲

روشنیوں سے تیار کئے ہوئے

۱۳۶ کھانے

۱۴۷ روشنیوں کے گودام

۱۴۷ رنگین شعاعیں

۱۴۸ کرنوں میں حلقے

۱۴۹ برقی روکیرہ

۱۵۰ اعصابی نظام

۱۵۳ مراقبہ

۱۲۵ سائنسی نظریہ

۱۲۹ تخلیقی فارمولے

۱۳۱ رنگوں کی تعداد گیارہ ہزار ہے

۱۳۱ آدمی کے اندر بجلی کا پہاؤ

۱۳۳ وقت کی نفی

۱۳۷ آئین اور جسمانی نظام

۱۴۰ سو سال کی نیند

۱۴۱ سائنس کے دو رخ

۱۴۲ توانائی اور روح

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ نے اپنے ذہن میں موجود کائناتی پروگرام کو شکل و صورت کے ساتھ وجود میں لانا چاہا تو کہا "کن"۔ تو اللہ کے ذہن میں کائناتی پروگرام ایک ترتیب اور تدوین کے ساتھ اس طرح وجود میں آگیا۔

• ایک کتاب امین

• ایک کتاب امین میں تیس کروڑوں محفوظ

• ایک لوح محفوظ میں اسی ہزار حفرے

• ایک حفرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور

• بارہ کھرب غیر مستقل نظام

• ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج

(STAR) کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔

یہ محض قیاس آرائی ہے کہ انسانوں کی آبادی صرف زمین (ہمارے نظام

شمسی) میں پائی جاتی ہے۔ انسانوں اور جنات کی آبادیاں ہر حفرے پر موجود

ہیں۔ ہر آبادی میں زندگی کی طرز میں اسی طرح قائم ہیں جس طرح زمین پر موجود

ہیں۔ بھوک، پیاس، خواب، بیداری، محبت، غصہ، جنس، افزائش نسل،

وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر تقاضا، ہر جذبہ اور ہر طرز ہر سیارہ میں جاری و ساری ہے۔

ایک حفیرے پر ایک کھرب سے زیادہ آباد نظام واقع ہیں۔ ایک آباد نظام کو قائم رکھنے کے لئے غیر مستقل نظام اسٹور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غیر مستقل نظام سے مراد یہ ہے کہ پورے پورے نظام بنتے اور ٹوٹ جاتے ہیں اور اس ٹوٹ پھوٹ سے آباد مستقل نظام فیڈ (FEED) ہوتے رہتے ہیں۔ ہر نظام میں الگ الگ سماوات، ارض، جبال، حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ اسی طرح موجود ہیں جس طرح ہم اپنے نظام میں دیکھتے ہیں۔

اللہ نے جب انسان اور جنات کو اپنی محبت کے ساتھ پیدا کیا تو اس کے رہنے کے لئے جنت کو اپنا پسندیدہ مقام قرار دیا۔ اور کہا: "اے آدم! تو اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں قیام کر اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر جنت کی نعمتوں سے اپنی بھوک رفع کر۔ اور اپنی پیاس بجھا۔ اور دیکھ اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تیرا شمار ظالموں میں ہوگا۔"

حقیقت کی زندگی گزارنے کی ترغیب دینے اور دوزخ سے بچنے کی تلقین کے لئے دنیا میں اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آچکے ہیں۔ اور ان پیغمبروں کی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے ان کے ورثت یافتہ دوست آتے رہے ہیں۔ اور آتے رہیں گے۔ یہ تمام بزرگ، اوتار اور اولیاء اللہ اپنے اپنے ماحول اور ماحول میں رائج زبان کے مطابق وحدانیت کا پرچار کرتے رہے کہ اللہ ایک ہے، یکتا ہے، بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی خاندان ہے۔ اسی وحدت اور وحدانیت پر ہر مذہب نے راگ الا پا ہے۔ زمین پر کسی ایسے مذہب کا وجود نہیں ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے وجود سے



انکار کیا ہو۔ اللہ کے دوستوں نے احادیث، صمدیت، حقانیت اور وحدانیت کو سمجھانے اور سمجھنے کے لئے مختلف راستے اور طریقے بتائے ہیں۔

**معرفت کی مشعل** | قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے ویسے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے

دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ صوفی، ولی، غوث، قطب، مجذوب، اوتار، قلندر، ابدال قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جن میں روشنی کی مشعل روشن ہے۔ یہ پاکیزہ لوگ اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔ صرف تاریخ کے اوراق ہی نہیں، لوگوں کے دلوں پر بھی ان بزرگوں کی داستائیں اور چشم دید واقعات زندہ اور محفوظ ہیں۔ ان کی دعاؤں سے مردوں کو زندگی، بیماروں کو شفا، بھوکوں کو غذا، غریبوں کو زر، بے حال لوگوں کو بال و پر، بے سہارا اور بے کس لوگوں کو اولاد اور مال و متاع کے انعامات ملتے رہتے ہیں۔

**قلندر کا مقام** | ان بندوں میں سے جو بندے قلندر ہوتے ہیں وہ زمان و مکان (TIME AND SPACE) کی قید

سے آزاد ہو جاتے ہیں اور سارے ذمی رُوح اس کے ماتحت کر دیے جاتے ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع و سرماں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، طمع، حرص اور لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مخلوق جرب ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو وہ اس کو سنتے بھی ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے ہیں۔ کیوں کہ قدرت نے انہیں اسی کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہی

وہ پاکیزہ بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ کہتا ہے :  
 ”میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان  
 بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے بولتے ہیں، میرے ذریعے سنتے ہیں اور میرے  
 ذریعے چیزیں پکارتے ہیں۔“

ان ازلی سعید بندوں کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر بندہ کا اللہ کے ساتھ  
 محبوبیت کا رشتہ قائم ہے، ایسی محبوبیت کا رشتہ جس میں بندہ اپنے اللہ کے  
 ساتھ راز و نیاز کرتا ہے۔

# جسم اور روح

جب ہم زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ہی حقیقت آتی ہے کہ آدم کا ہر بیٹا اور عورت کی ہر بیٹی خوش رہ کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن زندگی کا مادی نظریہ ہر ہر قدم پر انہیں مایوس کرتا ہے اس لئے کہ ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ فانی اور متغیر ہے۔ مادی اعتبار سے ہمیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ حقیقی مسرت سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اصل بنیاد (BASE) کو تلاش کریں۔ جب ہم کچھ نہیں سمجھتے تو کچھ نہ کچھ ضرور سمجھتے۔ اس لئے کہ کچھ نہ ہونا ہمارے وجود کی نفی کرتا ہے۔ ہماری مادی زندگی ماں کے پیٹ سے شروع ہوتی ہے اور یہ مادہ جب ایک خاص پروسس (PROCESS) سے گزر کر اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو ایک جیتی جاگتی تصویر عدم سے وجود میں آجاتی ہے۔ ماحول سے اس تصویر کو ایسی تربیت ملتی ہے کہ اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ سچی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور کس طرح یہ سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حقیقی مسرت سے ہم خوش ہونے کے لئے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ زندگی کا دار و مدار صرف جسم پر نہیں ہے بلکہ اس حقیقت پر ہے کہ جس حقیقت نے خود اپنے لئے جسم کو باکس بنا لیا ہے۔ پیدائش کے



بعد زندگی کا دوسرا مرحلہ ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ ہمارا ہر لمحہ مرتا رہتا ہے اور ہر لمحے کی موت دوسرے لمحے کی پیدائش کا ذریعہ بنا رہی ہے۔ یہی لمحہ بھی بچپن ہوتا ہے، کبھی لڑکپن، کبھی جوانی اور کبھی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

جیتی جاگتی تصویر | ہم اس حقیقت تک رسائی اس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم یہ جان لیں کہ جیتی جاگتی تصویر ایک جسم نہیں

ہے بلکہ ایک شعور ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اسے بالکل شعور بھی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ شعور صرف ہماری پہچان کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے اوپر ساری عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جسم کے ختم ہونے پر مادی کثافت اور آلودگی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جسم کے ختم ہونے کے بعد شعور فنا نہیں ہوتا بلکہ شعور کسی دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔

جتنی آسمانی کتابیں ہیں، ان سب میں ایک ہی بات کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی صرف مادی جسم نہیں ہے بلکہ ایک شعور ہے۔ ہم جب پیدائش سے موت تک کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ جان لیتے ہیں کہ جس شعور کی بنیاد ماں کے پیٹ میں پڑی تھی وہ شعور ایک طرف گھٹتا رہتا ہے اور دوسری طرف بڑھتا رہتا ہے۔ جیسے جیسے شعور گھٹتا ہے آدمی ماضی میں جاتا رہتا ہے اور جیسے جیسے شعور بڑھتا ہے آدمی مستقبل میں قدم رکھتا رہتا ہے۔ شعور کا گھٹنا اور بڑھنا عمر کا تعین کرتا ہے۔ شعور کے ایک زمانے کو "بچپن" کہتے ہیں۔ شعور کے دوسرے زمانے کو "جوانی" اور شعور کے تیسرے زمانے کو "بڑھاپا" بالآخر جو شعور اس مادی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے اور جس شعور پر یہ جسم ارتقائی منازل طے کر رہا ہے وہ قائم رہتا ہے۔

## ذات کا مطالعہ

ہم جب اپنے آپ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک محدود اور فنا ہونے والا جسم ہے

اور یہی ہماری زندگی کی پہچان ہے۔ یہ جسم جو ہمیں نظر آتا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کثافت، گندگی، تعفن اور سڑاند ہیں۔ اس سڑاند کی بنیاد اس نظریے پر قائم ہے کہ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں مادہ ہوں اور میں اس مادہ کی دنیا کی پیدائش ہوں۔ یہ محدود نظریہ ہر آدمی کو کسی ایک مقام میں محدود کر دیتا ہے اور ہر آدمی ایک محدودیت کے تانے بانے میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے اور اس طرح محدود اور پابند نظریے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب اپنا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ روح کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ عرب میں ہو، عجم میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیا کے کسی حصے میں۔

اللہ کا نظام کچھ اس طرح قائم ہے کہ اس دنیا میں جو اللہ کا پیغام آیا وہ اپنے الفاظ کے ساتھ قائم ہے۔ عیسائیوں کے لئے بائبل کے الفاظ مذہب کا درجہ رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے قرآن مذہب کا پیش رو ہے۔ ہندو سہکوت گیتا کے الفاظ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ سب کتابیں دراصل خدا کے برگزیدہ بندوں کی وہ آوازیں ہیں جو روشنی بن کر تمام عالم میں پھیل گئی ہیں۔

ہم جب کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو بھی ہمیں یہی پتہ چلتا ہے کہ ہماری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ نے جب اپنی آواز میں کون کہا تو ساری کائنات وجود میں آگئی۔ خدا جب اپنا تعارف کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مخلوق کا دوست ہوں۔ جس

طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو نہیں بھرتا اسی طرح خدا بھی اپنی مخلوق کو کبھی قراوش نہیں کرتا۔ وہ خدا جو ہمارا رب ہے جو ہمارے لئے ہر طرح کے وسائل پیدا کرتا ہے اور ہمیں زندگی کے نئے نئے مراحل اور نئے نئے تجربات سے گزارتا رہتا ہے، بلا شک و شبہ ہمارا دوست ہے

مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد جو انکشافات ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ خدا اپنی مخلوق کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا، چاہے ہمارے جسمانی خدو خال کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ نسلی سلسلے کی طرف جب تفکر کیا جاتا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تخلیق ایک پروگرام کے مطابق عمل میں آرہی ہے۔ جب ہم "زمین ماں" کے پیٹ میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو وہ بیج نشوونما پا کر ایک درخت بن جاتا ہے۔ بیج جب زمین کے اندر ڈال دیا جاتا ہے تو وہ زمین سے پانی کو جذب کرتا ہے اور پانی بیج میں موجود ایک سوراخ (MICROPYLE) کے ذریعے بیج کے اندر پہنچ کر سوشے ہوئے بیج (DORMANT SEED) کی نشوونما کرتا ہے۔ بیج کی دالوں (COTYLEDONS) کے اندر ننھے ننھے پتے اور چھوٹی ڈنڈی میں خلیاتی تقسیم وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ننھے پتے بڑھ کر تنے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ڈنڈی بڑھ کر جڑ بن جاتی ہے۔ جڑ زمین میں داخل ہو کر نہ صرف زمین سے اس نئے پودے کے لئے پانی اور غذا جذب کرتی ہے بلکہ اس پودے کے لئے زمین میں مستقل ٹھکانہ اور کابھی ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے برعکس تنازین کے مخالف سمت اور روشنی کی جانب بڑھنے لگتا ہے۔ پودے کی ابتدائی عمر میں پودے کی دالیں جو اس نو مولود پودے کے لئے غذا کو ذخیرہ کئے ہوئی ہیں، پودے کو غذا فراہم کرتی ہیں۔ جب پودا سورج کی روشنی میں ضیائی تالیف



(PHOTOSYNTHESIS) کے ذریعے خود اپنی غذا تیار کرنے لگتا ہے تو یہ الیم،  
 خشک ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اور پودا نشوونما کے بعد زمین پر ایک تناور درخت  
 بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک باپ یا ایک شوہر اپنی زوجہ یا اپنی کھیتی میں بیج ڈالتا  
 ہے تو زمین کی طرح وہاں بھی نشوونما کا سلسلہ ایک بیج کی طرح قائم ہے۔ سب سے  
 پہلے ابتدائی درجے میں ایک نرم و نازک تناؤ وجود میں آتا ہے جو NOTOCHORD  
 کہلاتا ہے۔ نشوونما کا یہ سلسلہ ارتقائی منازل طے کر کے جب تکمیل کو پہنچتا ہے بالکل  
 اسی طرح جیسے زمین اپنے پیٹ سے کسی درخت کو باہر نکالتی ہے، ماں کے پیٹ  
 سے بچہ تولد ہوتا ہے۔

تخلیقی سانچے | نسلی سلسلے کے بارے میں یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے کہ  
 پیدائش میں انسان، کتے اور بلی یکساں نوعیت کے

حامل ہیں۔ ایک مائع لعاب (SPERMS) جب دوسرے لعاب (OVA)  
 میں مل کر تحلیل ہو جاتا ہے اور تخلیقی سانچے میں مٹھر جاتا ہے تو ایک خاص پروسس  
 (PROCESS) کے تحت اس کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ پہلی رات یہ محلول  
 مٹر کے ایک دانے کے برابر ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ بڑھ کر ایک جیتی جاگتی دیکھتی  
 ہنستی، سنتی، محسوس کرتی تصویر بن جاتی ہے۔ اس تصویر میں دس سوراخ ہوتے ہیں۔  
 اور یہ دس سوراخ پوری زندگی پر محیط ہیں۔ ان ہی دس سوراخوں پر آدمی کی صلاحیتوں  
 کا دار و مدار ہے۔ بولنا، سننا، سونگھنا، جسم کے اندر زہریلے اور فاسد مادوں کو خارج  
 کر کے جسم کو صاف ستھرا کرنا اور مادی زندگی کی حفاظت کرنا ان ہی دس سوراخوں پر  
 قائم ہے۔ ان دس سوراخوں میں سے ایک سوراخ بھی اپنی ڈیوٹی پوری نہ کرنے یا

یہ سوراخ کسی بھی معنی میں سوراخ نہ رہے تو اسی مناسبت سے انسانی زندگی میں خلا واقع ہو جاتا ہے اور وہ بے کار، کم صلاحیت یا عضو معطل بن جاتا ہے۔ ان دو سوراخوں کی تقسیم اس طرح ہے۔

کانوں کے دو سوراخ آدم زاد کے اندر قوتِ سامعہ ہیں۔ آنکھوں کے دو سوراخ باصرہ (VISION) یعنی باہر کے عکس کو دماغ کی اسکرین پر منتقل کر کے کسی چیز کے ہونے کا علم فراہم کرتے ہیں اور یہ علم مختلف مراحل سے گزر کر لامہ بن جاتا ہے۔ ناک کے دو سوراخ، ہمیں قوتِ شامعہ عطا کرتے ہیں۔ منہ اور حلق کے دو سوراخ، ہمیں غذائی معاملات میں خود کفیل کرتے ہیں۔ ایک طرف ہماری تمام غذائی ضروریات کا دار و مدار اس سوراخ پر ہے، دوسری طرف یہ سوراخ قوتِ گویائی عطا کرتے ہیں۔ نواں سوراخ جہاں کثافت کو دور کرنے ذریعہ ہے، وہ انفریشن نسل کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ غذا میں سے توانائی (ENERGY) حاصل کرنے کے بعد جو فضلہ باقی رہ جاتا ہے، دسواں سوراخ ان کے احسراج کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک نظام ہے جو تو اتر کے ساتھ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

ہمیں بیج کے پھوٹنے پر تین چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔ ایک تناؤ دوپتے۔ اس تخلیقی عمل سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ہر چیز اور ہر وجود دو سوراخوں پر قائم ہے اور پھر یہ دو سوراخ تقسیم ہو کر کئی سوراخ بن جاتے ہیں۔ آدمی بھی دو سوراخوں سے مرکب ایک تصویر ہے۔ آدمی کے اندر دو دماغ ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ ناک کے دو نٹھنے ہوتے ہیں۔ حلق بظاہر

ایک نظر آتا ہے مگر حلق کے اندر گوشت کا ایک لوتھرا (UVULA) یا کوآسکارہتا ہے۔ اس کی وجہ سے حلق دو حصوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ دو ٹانگیں ہوتی ہیں۔ دو پیر ہوتے ہیں۔ دو گردے ہوتے ہیں۔ دو جگر ہوتے ہیں۔ دل کو اگر تقسیم کیا جائے تو وہ ایک پردے (SEPTUM) کے ذریعے بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑے دو ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس انسانی مادی جسم کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ انسان کی تخلیق دو رنوں پر قائم ہے۔ مزید سوچ بچار اور چھان بین کی جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نوب انسان اور تمام نوعیں بھی دو رنوں پر قائم ہیں۔ ایک مذکر (MALE) ، ایک مؤنث (FEMALE)۔ ایک مرد ایک عورت۔ ایک باپ ، ایک ماں۔

**جنسی شش کا قانون** | تخلیق کا قانون ہمیں بتاتا ہے کہ مرد کا وجود بھی دو رنوں پر قائم ہے اور عورت کا وجود بھی دو رنوں پر

قائم ہے۔ عورت کے اندر مرد چھپا ہوا ہے اور مرد کے اندر عورت چھپی ہوئی ہے۔ اگر آدم کے اندر عورت نہ ہوتی تو عورت کی پیدائش ممکن نہیں ہوتی۔ دوسری مثال جو آدم کے اندر سے آدم کی پیدائش ہے جس کو آسمانی کتابوں نے "عیسیٰ" کا نام دیا ہے اسی طرح ہنسرد دو پرت سے مرکب ہے۔ ایک پرت ظاہر اور غالب رہتا ہے اور دوسرا پرت مغلوب اور چھپا ہوا رہتا ہے۔ مرد ہو یا عورت دونوں دو دو رنوں سے مرکب ہیں۔ ایک ظاہر رن اور ایک باطن رن۔ عورت میں ظاہر رن عورت کے خدو خال میں جلوہ نما ہو کر ہمیں نظر آتا ہے اور باطن رن وہ ہے جو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مرد کا ظاہر رن مرد کے خدو خال بن کر ہمارے سامنے آتا ہے اور باطن رن



وہ ہے جو مخفی رہتا ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ مرد بحیثیت مرد کے جو نظر آتا ہے وہ اس کا ظاہر رُخ ہے۔ اور عورت بحیثیت عورت جو نظر آتی ہے وہ اس کا ظاہر رُخ ہے۔ مرد کے ظاہر رُخ کا متضاد باطن رُخ "عورت" اس کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور عورت کے ظاہر رُخ کے ساتھ اس کا متضاد باطن رُخ "مرد" لپٹا ہوا ہے۔ افزائش نسل اور جنسی کشش کا قانون بھی ان ہی دو رُخوں پر قائم ہے۔ عورت کے اندر باطن رُخ مرد چوں کہ مغلوب ہے اور غالب خدو خال میں نمودار ہو کر منظر نہیں بنا ہے اس لئے وہ غالب اور مکمل رُخ کو اپنانا چاہتا ہے اور اس کے اندر جذب ہونے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر چھپا ہوا پرت "عورت" چوں کہ مغلوب اور نامکمل ہے اس لئے وہ بھی عورت کے ظاہر رُخ سے ہم آغوش ہو کر اپنی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جنسی کشش اس عورت یا مرد میں نہیں ہوتی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے بلکہ عورت کے اندر چھپا ہوا رُخ اس مرد سے ہم آغوش ہو کر اپنی تکمیل چاہتا ہے جو میں جیتی جاگتی شکل میں نظر آتی ہے۔ اسی کو عرف عام میں جنسی جذبہ کہتے ہیں۔ جنسی تبدیلی کے واقعات اکثر و بیشتر ہمارے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ باطنی رُخ کی تحریکات اتنی زیادہ سریع السیر اور غالب ہو جاتی ہیں کہ ظاہر رُخ کی اپنی تحریکات بظاہر معطل اور معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ تبدیلی اس طرح واقع ہوتی ہے کہ مرد کے اندر عورت کا باطن رُخ غالب ہو جاتا ہے اور ظاہر رُخ، مرد کی تحریکات مغلوب ہو جاتی ہیں اور نتیجے میں کوئی مرد عورت بن جاتا ہے، اور اسی طرح کسی عورت میں ظاہر رُخ کی تحریکات مغلوب ہو جاتی ہیں تو وہ مرد بن جاتی ہے

## ظاہر اور باطن

یہ ایک تخلیقی لائقناہی سلسلہ ہے جو ہمیں اس تفکر کی دعوت

دیتا ہے کہ ایک ہمارا ظاہر ہے، دوسرا ہمارا باطن۔ ظاہر کو

ہم "سادہ" کہتے ہیں۔ اور باطن کو "روح" کہا جاتا ہے۔ روح بھی دُورِخ پر قائم ہے۔

روح کا مظاہرہ ایک رُوح کے بنائے ہوئے لباس سے ہوتا ہے اور رُوح کا دوسرا

مظاہرہ خود رُوح ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب،

روح و قلم میں اس کی مثال قمیض اور جسم سے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہمارے سامنے ایک مجسمہ ہے جو گوشت اور پوست سے مرکب ہے۔ طبعی

نقطہ نظر سے ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں کی بناوٹ کو ایک جسم کی شکل و صورت

دیا گئی ہے۔ ہم اس کا نام "جسم" رکھتے ہیں اور اس کو اصل سمجھتے ہیں۔ اس کی

حفاظت کے لئے ایک چیز اختراع کی گئی ہے جس کا نام "لباس" ہے۔ یہ لباس

سوئی کپڑے کا، اونی کپڑے کا یا کسی کھال وغیرہ کا ہوا کرتا ہے۔ اس لباس کا

محل استعمال صرف گوشت پوست کے جسم کی حفاظت ہے۔ فی الحقیقت اس لباس

میں اپنی کوئی زندگی یا اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ جب یہ لباس جسم پر ہوتا ہے تو جسم کے

ساتھ حرکت کرتا ہے یعنی اس کی حرکت جسم سے منتقل ہو کر اس کو ملی۔ لیکن درحقیقت

وہ جسم کے اعضا کی حرکت ہے۔ جب ہم ہاتھ اٹھاتے ہیں تو آستین بھی گوشت پوست

کے ہاتھ کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ یہ آستین اس لباس کا حصہ ہے جو لباس جسم کی

حفاظت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لباس کی تعریف کی جائے تو یہ کہا جائے گا

کہ جب یہ لباس جسم پر ہوتا ہے تو جسم کی حرکت اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہے۔ اور

اگر اس لباس کو اتار کر چارپائی پر ڈال دیا جائے یا کھوٹی پر لٹکا دیا جائے تو اس کی

تمام حرکتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اب ہم لباس کا جسم کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ اس کی کتنی ہی مثالیں ہو سکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال دے کر صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی مر گیا۔ مرنے کے بعد اس کے جسم کو کاٹ ڈالنے، ٹکڑے کر دیکھنے، کچھ کیجئے جسم کی اپنی طرف سے کوئی مدافعت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس مردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیکھئے تو اس میں زندگی کا کوئی شائبہ کسی لمحے بھی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس کو جس طرح ڈال دیا جائے گا پڑا رہے گا۔ اس کے سستی یہ ہوتے کہ مرنے کے بعد جسم کی حیثیت صرف لباس کی رہ جاتی ہے۔ اصل انسان اس میں موجود نہیں رہتا۔ وہ اس لباس کو چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ اگر یہ جسم اصل انسان ہوتا تو کسی نہ کسی نوعیت سے اس کے اندر زندگی کا کوئی شائبہ ضرور پایا جاتا۔ لیکن نوع انسانی کی مکمل تاریخ ایسی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتی کہ کسی مردہ جسم نے کبھی حرکت کی ہو۔ اس صورت میں ہم اس انسان کا تجسس کرنے پر مجبور ہیں جو جسم کے اس لباس کو چھوڑ کر کہیں رخصت ہو جاتا ہے۔ اس ہی انسان کا نام انبیائے کرام کی زبان میں "روح" ہے۔ اور وہی انسان کا اصل جسم ہے۔ نیز یہی جسم ان تمام صلاحتوں کا مالک ہے جن کے مجموعے کو ہم زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔

جسم اور لباس کی اس خوبصورت تشبیہ اور مثال سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اصل انسان یا اصل زندگی لباس نہیں ہے۔ جب تک جسم کے اوپر لباس ہے، لباس کی حیثیت برقرار ہے اور جب ہم لباس کو اتار دیتے ہیں یا لباس سے اپنی دل چسپی ختم کر دیتے ہیں تو لباس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ لباس بکھر جاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے۔



# نوعی اشتراک

ہماری فطرت اور جبلت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جبلت میں ہمارا دوری نوعوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، مھینس، کتے، بلی، سانپ، کیوٹر، قاضیہ وغیرہ کے ساتھ ذہنی اشتراک ہے۔ اور فطرت میں ہم اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ اور یہ مقام ہمیں ایک ہستی نے جو تمام نوعوں سے ماورا ہے اور جو تمام افراد کائنات پر فضیلت رکھتی ہے، عطا کیا ہے اور یہ عطا ایک فاضل عقل یا تفکر ہے۔ کوئی ذی فہم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ حیوانات میں عقل و شعور نہیں ہے۔ بعض معاملات میں جانور انسان سے زیادہ یا شعور اور با عقل ہیں۔

زمین پر ایسے چوپائے بھی موجود ہیں جن میں مستقبل بینی کی صلاحیت ہوتی ہے۔ بلی، کتے اور کئی دوسرے جانوروں کو آنے والی مصیبتوں، زلزلوں کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔

۱۹۰۶ء میں سان فرانسسکو کے تاریخی زلزلے سے قبل کتوں نے روز و شب بھونکنا اور چیخنا شروع کر دیا تھا اور لوگوں کی رات کی نیند اور دن کا سکون قائم ہو گیا تھا۔ مرغابیاں بلند درختوں کی طرف پرواز کر گئیں اور سڑوں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا۔ گائیں رستیاں توڑ توڑ کر بھاگنے لگیں۔

زمین دوز چوہے | اسی طرح قدیم یونانی شہر ہلیس میں زیر زمین رہنے والے چوہے

119303

( WEASELS ) اور دیگر بے شمار حیوانات زلزلے سے پانچ روز قبل شہر سے فرار ہو گئے۔ چلی کے شہر کون سیپکون کی نضاغول درغول پرواز کرتے ہوئے انجانے نون کے شکار پرندوں کی چٹخوں سے لرز اٹھی اور اس کے بعد یہ شہر زلزلے کی نذر ہو گیا۔

زیادہ تر زلزلے اچانک نہیں آتے۔ زمین کی زیریں سطح کی چٹانوں کا باہمی ٹکراؤ ابتدائی مراحل کا نقطہ

## طاقت و حسیات

عروج ہوتا ہے۔ مستقل بڑھتا ہوا ارضیاتی دباؤ سطح زمین کے جھکاؤ اور ابھار میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔ زلزلے کی لہریں زیر زمین چٹانوں میں رونا ہونے لگتی ہیں۔ زمین کے مقناطیسی میدان میں خفیف سا ردوبدل ہوتا ہے۔ انسانی حسی صلاحیت ان تمام ابتدائی کیفیات کو محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن حیوانات اس قدر حساس ہوتے ہیں کہ زلزلے سے قبل چٹانوں کی زیر زمین معمولی سی ٹوٹ پھوٹ کو محسوس کر لیتے ہیں۔

انسان کی سماعتی صلاحیت ( HEARING POWER ) نسبتاً انتہائی محدود ہوتی ہے۔ انسان ایک ہزار چکر فی سیکنڈ کی آواز کی لہروں کو محسوس کر سکتا ہے لیکن ۲۰ ہزار چکر فی سیکنڈ یا اس سے زیادہ چکر کی آواز کی لہروں کو انسانی کان سن نہیں سکتے۔ اس کے برعکس کتے، بلیاں اور لوٹریاں ساٹھ ہزار چکر فی سیکنڈ کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ چوہے، چمگادڑ، وھیل اور ڈولفن ایک لاکھ چکر فی سیکنڈ کی آوازیں سن سکتے ہیں۔

پھیلیاں بھی سمندر میں انتہائی مدد قسم ارتعاش کو محسوس کر لیتی ہیں۔ انسان میں دیکھنے کی حد ( RANGE ) بہت کم ہوتی ہے جب کہ شہد کی

مکھی ماورائے بنفشتی شعاعیں ( ULTRAVIOLET RAYS ) دیکھ سکتی ہے۔  
انسان کے مقابلے میں شاہین کی آنکھ کسی چیز کو آٹھ گنا بڑا دیکھتی ہے۔

## سُراغ رساں کتے

دنیا بھر میں پولیس مجرموں کو تلاش کرنے اور  
انہیں پہچاننے کے لئے عرصے سے کتوں کو

استعمال کر رہا ہے۔ یہاں انسانی ناک میں تقریباً پانچ ملین جستی خلیات  
( SENSORY CELLS ) ہوتے ہیں، کتوں کی کچھ نسلوں میں دو سو ملین سے  
زیادہ خلیات ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کتے میں سونگھنے کی حس انسان سے  
کئی ملین زیادہ ہوتی ہے۔

انڈوں کی تقسیم

شتر مرغ میں عقل و فہم کا اندازہ اس عمل سے  
لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے انڈوں کی تین قسمیں کرتا ہے

کچھ کو ریت میں دبا دیتا ہے، چند کو دھوپ میں چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ کو سینے لگتا  
ہے۔ جب انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں تو دھوپ میں رکھے ہوئے انڈوں سے  
رقیق مادہ نکالتا ہے اور بچوں کو پلاتا ہے۔ اس غذا سے بچوں میں نشوونما کی رفتار  
تیز ہو جاتی ہے اور جب بچے قدرے بڑے ہو جاتے ہیں تو ریت میں دبائے ہوئے  
انڈوں کو توڑ کر تھوڑی دیر کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ ریت میں دبنے کی وجہ سے  
اور ٹوٹنے کے بعد براہ راست دھوپ پڑنے سے ان انڈوں میں کیرے مکوڑے  
پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ کیرے مکوڑے ان بچوں کی غذا بن جاتے ہیں جب بچوں کی  
نشوونما کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو پھر گھاس پھوس کو اپنی غذا بنا لیتے ہیں اور یوں یہ  
بچے سن بلوغت میں قدم رکھ دیتے ہیں۔ شتر مرغ کا انڈوں کو اس طرح رکھنا کسی طور



عقل و دانشمندی سے کم نہیں ہے۔

ہمارے سامنے پڑیا سے بھی چھوٹا پرندہ "بیا"  
**بجلی کی دریافت سے پہلے**

ایک پورا نقشہ ہے، ایک پوری پلاننگ ہے۔ تنکوں کے اس گنبد نما ٹکے ہوئے گھر  
 میں کمرے بھی ہوتے ہیں۔ سونے کے لئے بستر بھی ہوتے ہیں۔ اور بچوں کے جھولنے کے  
 لئے جھولا بھی ہوتا ہے۔ یہ ناقابل تذکرہ دو ایچ کی سٹریا اتنی عقل و فہم رکھتی ہے  
 کہ اپنے گھر کو روشن رکھنے کے لئے جگنو کو گرفتار کرتی ہے اور جگنو کی چمک سے اس  
 کے گھر میں روشنی رہتی ہے۔ یعنی یہ چھوٹا سا پرندہ بجلی (ELECTRICITY) کی  
 دریافت سے پہلے بھی بجلی کی سائنس سے واقف تھا اور جگنو کو نسل بعد نسل بطور  
 قمقمے (BULBS) کے استعمال کر رہا ہے۔

ایک آسٹریلوی پرندہ کیوی اپنے رزق کے حصول کیلئے  
**بارش کی آواز** جو طریقہ اختیار کرتا ہے وہ کافی دل چسپ ہے۔

جب کافی تلاش کے باوجود شکار ہاتھ نہیں لگتا تو یہ ایسی آواز نکالتا ہے جو  
 بارش کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ زمین کے اندر رہنے والے کیرٹے مگلوڑے یہ  
 سمجھ کر کہ بارش ہو رہی ہے، زمین سے باہر نکل آتے ہیں اور اس پرندے کی غذا  
 بن جاتے ہیں۔

لومڑی اپنی چالاکی اور عیاری کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔  
**منافق لومڑی** جس دن آسانی سے شکار ہاتھ نہیں آتا تو بی لومڑی چالاکی پر  
 اتر آتی ہے۔ جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر زمین پر لیٹ جاتی ہے اور سانس کھینچ کر خوب

پیرٹا پھولا لیتی ہے۔ پرندے سے مردہ سمجھ کر اپنی خوراک بنانے کے لئے قریب آتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ پرندے لومڑی کو اپنی غذا بنائیں، لومڑی انہیں اپنی غذا بنا لیتی ہے۔

بے۔ اچ۔ ولیم نے اپنی کتاب (THE ELEPHANT) کیلے کے باغات

میں دو نو عمر ہاتھیوں کا ذکر کیا ہے جو عموماً کھلے پھرتے تھے لیکن ان کی گردنوں میں بلند آواز والی گھنٹیاں لٹکا دی گئی تھیں تاکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ ایک روز یہ دونوں قریب کے تالاب کے کنارے گئے اور وہاں سے گیلی مٹی اٹھا کر اپنی اپنی گھنٹی میں بھری۔ نتیجتاً گھنٹیاں بجنا بند ہو گئیں۔ پھر ان دونوں نے کیلوں کے بانگوں کا رخ کیا۔ اور خوب جی بھر کر کیلے کھائے۔

ایک ترکیب | دو ڈولفن ایک سانپ نما مچھلی ایل (EEL) کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور اس کا پیچھا کر کے اسے پکڑنے کی کوشش

کر رہی تھیں۔ چالاک ایل نے ڈولفینوں سے بچنے کے لئے اچانک غوطہ لگایا اور ایک سوراخ میں گھس کر پناہ گزیں ہو گیا۔ اب ذرا ڈولفن کی ذہانت ملاحظہ فرمائیں کہ ان میں سے ایک نے ایک ایسی مچھلی پکڑ لی جس کے منہ پر زہریلا ڈنک ہوتا ہے۔ اور دم سے پکڑ کر مچھلی کا سر اس سوراخ میں داخل کر دیا جس میں ایل چھپا بیٹھا تھا۔ ایل نے جو زہریلا مچھلی کو دیکھا تو سوراخ سے نکل کر بھاگا اور کھیل دوبارہ شروع ہو گیا۔

حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور قلندر شعور کے بانی قلندر بابا اولیاء اپنی کتاب "تذکرہ تاج الدین بابا میں شیر کی عقیدت کا واقعہ اور اس واقعے کی علمی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

شیر کی عقیدت | ایک دن نانا تاج الدین و انکی شریف کے جنگ (جہارت) میں چند لوگوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھتے چلے گئے۔ نانا

سکرا کر کہنے لگے۔ میاں! جس کو شیر کا ڈر ہو، وہ چلا جائے۔ میں تو یہاں ذرا سی دیر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنی دیر قیام کرے اس کی مرنی۔ تم لوگ جاؤ، کھاؤ پیو۔ اور مزے کرو۔ بعض لوگ ادھر ادھر چھپ گئے اور زیادہ چلے گئے۔ گری کا موسم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا خمار کا طوفان اٹھا رہی تھی۔ نانا اب دیر لگا س پر لیٹ چکے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ فضا میں بانگل سناٹا پھایا ہوا تھا۔

چند منٹ گزرے ہی تھے کہ جنگ بھانک محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ انتظار کسی سادھو، کسی جوگی، کسی اتوار، کسی ولی یا کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا جو کم از کم میرے ذہن میں قدم بہ قدم حرکت کر رہا تھا۔ یکایک نانا رح کی طرف نگاہیں متوجہ ہو گئیں۔ ان کے پیروں کی طرف ایک طویل القامت شیر ڈھلان سے اوپر چڑھ رہا تھا، بڑی آہستہ خراچی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر نیم وا آنکھوں سے نانا تاج الدین رح کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ پیروں کے بالکل قریب آ گیا۔ نانا گہری نیند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے پھوڑا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آنکھیں ستانہ واری سے بند ہو گئیں۔ اس نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔

نانا تاج الدین رح ابھی تک سو رہے تھے۔ شیر نے اب ذرا ہمت کر کے تلوے

چاٹنا شروع کر دیے۔ اس حرکت سے نانا کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا کہنے لگے: تو آگیا۔ اب تیری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں تجھے تندرست دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اچھا، اب جاؤ۔ شیر نے بڑی ممنونیت سے دم ہلائی اور چلا گیا۔

میں نے ان واقعات پر بہت غور کیا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ شیر پہلے کبھی ان

کے پاس آیا تھا۔ مجبوراً اس امر کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ نانا اور شیر پہلے سے ذہنی طور پر روشناس تھے۔ روشناسی کا طریقہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ انا کی جو لہریں نانا اور

شیر کے درمیان رد و بدل ہوتی تھیں وہ آپس کی ملاقات کا باعث بنتی تھیں۔ عارفین میں کشف کی روش عام طور پر یہی ہوتی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں بھی کشف اسی طرح ہوتا ہے۔ کشف کے معاملے میں انسان اور دوسری مخلوق یکساں ہے۔

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جس قدر  
**انا کی لہریں** خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں ان میں

بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات

لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑا اپنی زندگی سے ملانا چاہتے ہیں تو ہزار کوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں

کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی چند باتیں غور طلب ہیں۔ سائنسدان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں

ہے کہ زمینی اور مکیاتی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لامتناہی  
 میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمینی مکیاتی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔



باقاؤدگریوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں  
روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں، انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجا  
خود موجود نہیں جاتیں۔

**خاموش گفتگو** | انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے  
کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جس کے معنی معین کر لئے  
جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلہ کی نقل ہے جو انا کی لہروں  
کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے  
سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ  
کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔  
یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف  
آمنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے  
جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں،  
پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

**ایک لاشعور** | انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی  
واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ساری کائنات میں ایک ہی  
لاشعور کار فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہریں دوسری لہر کے معنی سمجھتی  
ہے، چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود  
کی فراست اور معنویت کائنات کی رگ جان ہے۔ ہم اس رگ جان میں جو خود  
ہماری اپنی رگ جان بھی ہے، تفکر اور توجہ کر کے اپنے پیارے اور دوسرے

ستاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے تصورات  
حیات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات  
معلوم کر سکتے ہیں۔

مسلل توجہ دینے سے ذہن کا سائنسی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے  
سر ایسا کامیاب پرت انا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا  
سمجھتا اور ذہن میں محفوظ کر دیتا ہے۔

مثالی معاشرہ | حیوانات میں زندگی گزارنے کی قدریں بھی انسان کی معاشرتی  
زندگی سے کافی حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔ جو ہمیں حیوانات کی

عقلی بیداری کا ثبوت فراہم کرتی ہیں جس کی چند مثالیں ہدیہ قارئین ہیں۔

اس کی ایک مثال حشرات الارض کے خاندان کے ایک فرد شہد کی مکھی کی  
ہے۔ شہد کی مکھیاں (HONEY BEES) اپنی پوری قبلی یا ایک کالونی میں موسم  
کے ہزاروں چھوٹے چھوٹے ہشت پہلو کمروں پر مشتمل ایک چھتے میں رہتی ہیں۔ ان سب  
میں ایک ملکہ ہوتی ہے۔ رعایا میں تقریباً دو ہزار نر مکھیاں ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ  
مادہ مکھیاں ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد ایک چھتے میں بیس ہزار کے لگ بھگ ہوتی  
کارکن مکھیاں مادہ ہونے کے باوجود انڈے دینے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

ملکہ دوسری تمام مکھیوں سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ ہر وقت چھتے  
کے اندر رہتی ہے۔ ملکہ ایک دن میں تقریباً ایک ہزار سے دو ہزار تک انڈے

دے۔ انڈے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مکمل انڈے (FERTILIZED EGGS)  
اور دوسرے نامکمل انڈے (UNFERTILIZED EGGS)۔ مکمل انڈوں سے ملکہ اور

مکھیاں نکلتی ہیں جب کہ نامکمل انڈوں سے نر مکھیاں نکلتی ہیں۔ چند مکھیاں ہر وقت ملکہ کی خدمت کے لئے موجود رہتی ہیں۔ یہ مکھیاں ہر طرح سے ملکہ کا خیال رکھتی ہیں۔ ملکہ کی اوسط عمر تین سال ہوتی ہے۔ ملکہ جب تک انتظامی امور احسن طریقے پر انجام دیتی رہتی ہے۔ محافظ مکھیاں اس کی ہر طرح سے خدمت انجام دیتی ہیں۔ لیکن ملکہ جب اپنے فرائض سے غفلت برتنے لگتی ہے یا بوڑھی ہو جاتی ہے تو یہی محافظ مکھیاں اس کے گرد جمع ہو جاتی ہیں اور تمام مکھیاں ملکہ پر حملہ کر دیتی ہیں اور ڈنک مار مار کر ملکہ کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ ملکہ کی ہلاکت کی خبر پوری کالونی کو دینے کے لئے چند مکھیاں ایک خاص آواز نکالتی ہیں اور آواز نکالتے وقت چھتے کے گرد کئی چکر کاٹتی ہیں۔ ملکہ کی طبعی عمر تین سال ہوتی ہے۔

نئی ملکہ کی تفسیری کے لئے کارکن مکھیاں انڈوں میں سے تین دن پرانے مکمل انڈے تلاش کر کے لے آتی ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد انڈوں سے کیڑے نکل آتے ہیں۔ کارکن مکھیاں انہیں پھولوں کے جمع کئے ہوئے زرگل کھلانی اور پھولوں کا رس پلاتی ہیں کچھ دنوں کے بعد ان کیسٹروں یا لاروؤں کے اوپر ایک غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اس غلاف سے ڈھکے ہوئے کیڑے کو پیوپا کہتے ہیں۔ مکھیاں پیوپا کے خانوں کو موم لگا کر بند کر دیتی ہیں۔ پندرہ دن کے بعد پیوپا ایک بالغ مکھی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور موم ہٹا کر خانوں سے باہر نکل آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تقرر بحیثیت ملکہ ہو جاتا ہے اور باقی ملکہ مکھیاں اڑ جاتی ہیں اور ہر ملکہ اپنا علیحدہ چھتہ بنا لیتی ہے۔

کارکن مکھیاں ملکہ سے قدرے چھوٹی ہوتی ہیں۔ کارکن مکھیوں کی اوسط عمر دو ماہ ہوتی ہے اور دو ماہ کی مختصر زندگی محنت و مشقت کرتے گزر جاتی ہے۔ انڈوں سے

نکلنے کے تیسرے دن سے کارکن مکھیاں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ یہی مکھیاں چھتہ تیار کرتی ہیں۔ کارکن مکھیوں کے اندر موم پیدا کرنے والے گلینڈز ہوتے ہیں جو موم پیدا کرتے ہیں اور یہ موم چھتہ تیار کرنے میں کام آتا ہے۔ یہ چھتہ کئی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ چھتے کا درمیانی حصہ جو دوسرے تمام خانوں سے بڑا اور ہوا دار ہوتا ہے، ملکہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ چھتے میں زیر مکھیوں کے لئے سیکڑوں خانے ہوتے ہیں۔ مادہ مکھیوں کے بے شمار گھروں کے علاوہ شہد کو ذخیرہ کرنے کے لئے کئی گودام ہوتے ہیں اور پھولوں کے زرد دانوں کے لئے الگ گودام ہوتے ہیں جو مکھیوں کی خوراک بنتے ہیں۔

تمام مکھیوں کے لئے خوراک کا انتظام کرنا ان ہی کارکن مکھیوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہی مکھیاں چھتوں سے

### شہد کیسے بنتا ہے

پھولوں کے رس کی تلاش کے لئے نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ اور پھر اس رس سے شہد تیار کرتی ہیں۔ مکھیاں مختلف پھولوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھولوں کی اندرونی سطح پر موجود ہلکی مٹھاس کو اپنی زبان سے رگڑتی ہیں۔ اس رگڑ کے نتیجے میں مٹھاس زبان پر منتقل ہو جاتی ہے اور یہ مٹھاس مکھی کے معدے نامتھلی (HONEY STOMACH)

میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ یہ مختصر تھلی پھولوں کے رس سے بھر جاتی ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر یہ مکھی پھولوں کے زرگل کو اکٹھا کر کے اپنے پچھلے پاؤں میں موجود قدرتی ٹوکریوں کو بھر لیتی ہے۔ مکھی اس تمام کارروائی کے بعد اپنے چھتے پر واپس آ جاتی ہے۔ چھتے میں پہنچتے ہی مکھی موم کے ایک خانے میں گھس جاتی ہے اور زرگل کو گوداموں میں منتقل کر دیتی ہے۔ اس اثنا میں پھولوں کا رس جو معدہ نامتھلی میں جمع ہوتا ہے کئی کیمیاں تبدیلوں کے بعد شہد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس شہد کو گوداموں میں محفوظ کر کے



موم سے سیل کر دیا جاتا ہے تاکہ موسم سرما میں مکھیاں اس شہد کو اپنے استعمال میں لاسکیں۔ لیکن حضرت انسان مکھیوں سے نظر بچا کر لے اڑتے ہیں اور بے چاری مکھیاں شہد کی اس چوری کے بعد پھر اس ہی مستعدی اور محنت سے شہد بنانے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

نر مکھیاں نہایت کاہل ہوتی ہیں۔ یہ ملکہ کے شوہر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ جب ملکہ بالغ ہو جاتی ہے تو اپنے چھتے سے اڑتی ہے۔ نر مکھیاں فوراً اس کے تعاقب میں اڑتی ہیں اور ان میں سے ایک نر مکھی ملکہ کو حاملہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ SEX کے علاوہ نر مکھیاں کوئی کام نہیں کرتیں۔ ملکہ کے انڈے دینے کے بعد نر مکھیاں اپنی طبعی موت مر جاتی ہیں۔

**فہم فراسٹ** گرمیوں کے دنوں میں گرمی کی شدت سے موم نرم پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن یہ ننھا کیرا اپنی

عقل مندی کی وجہ سے اپنے گھر کو برباد ہونے سے بچا لیتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ گرمیوں کے دنوں میں تمام کارکن مکھیاں چھتے کے تمام خانوں کے کناروں پر اس طرح بیٹھ جاتی ہیں کہ ان کے پر خانوں سے باہر رہیں۔ اب پروں کو تیسری سے حرکت دی جاتی ہے۔ پروں سے نیکھوں کا کام لیتے ہوئے ہوا کو ٹھنڈا کر کے اندر بھیجا جاتا ہے جس سے پھر پھر گر جاتا ہے اور مکھیوں کے گھر گرمی کی تپش سے محفوظ رہتے ہیں۔ اللہ نے مکھی کو یہ صلاحیت وحی کی ہے کہ مکھی ایسے پھول کا عرق نہیں چوستی جو بیمار اور زہریلا ہو۔ ہمیشہ ایسے پھولوں کا انتخاب کرتی ہے جن پھولوں کے ذریعے زمین سے صحت بخش عرق کشید ہوتا ہے۔ یہی

دہ ہے کہ شہد بے شمار امراض کا علاج ہے۔

## عقل مند چوٹی

چوٹی جیسی انتہائی چھوٹی مخلوق کی عقل کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک چوٹی نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کی دعوت کی۔ حضرت سلیمانؑ ایک حلیل الفہر پیغمبر اور عظیم بادشاہ گزرے ہیں۔ آپ کے لشکر میں انسانوں کے علاوہ جنات، چرند، پرند، درند سب ہی شامل تھے۔ آپ کو ہواؤں اور موموں پر پورا تصرف حاصل تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے اس چوٹی کو اٹھا کر اپنی مشعلی پر رکھ لیا اور پوچھا "تو اتیری سلطنت وسیع ہے یا میری؟" چوٹی نے کہا "کس کی سلطنت پر عظمت ہے یہ اللہ کو معلوم ہے مگر میں یہ بات جانتی ہوں کہ اس وقت میرا تخت سلیمانؑ کا ہاتھ ہے۔"

فرماں روا چوٹی | حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ۹۶۵ قبل مسیح میں حضرت داؤدؑ کے جانشین

ہوئے اور تقریباً چالیس سال فرماں روا رہے۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے حیوانات کی بولیاں سمجھنے کا علم عطا کیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ بن وائس اور حیوانات کے عظیم اشران لشکر کے جلوس میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ لشکر کی کثرت کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے درجے اور کتے کے خلاف آگے پیچھے ہو کر بے ترتیبی کا مرتکب ہو سکے۔ سب فرماں بردار لشکریوں

۳۵ یہ لشکر ہوا میں ہر واز کر رہا تھا

کی طرح حضرت سلیمان کی عظمت اور سمیت سے اپنے اپنے قرینے سے نہ کہ

فوج در فوج چل رہے تھے کہ لشکر چلتے چلتے ایسی وادی میں پہنچا جہاں چوٹیوں

زین پر

رے شمار تھیں اور پوری وادی ان کا مسکن بنی ہوئی تھی۔ چوٹیوں کے بادشاہ نے

شکر کے اس کثیر انبوه کو دیکھ کر اپنی رعایا سے کہا: تم فوراً اپنے اپنے بلوں

میں گھس جاؤ۔ سلیمان اور ان کے لشکر کو کیا معلوم کہ تم اس کثرت سے وادی

کی زمین پر ریگ رہی ہو۔ نہ معلوم ان کے گھوڑے اور پیادوں کے قدموں اندازاً اور

کے نیچے تم میں سے کتنی تھکاوے خبری میں روندی جائے۔

اللہ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:-

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور ان دونوں نے

کہا۔ تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو بہت سے مومن بندوں پر فضیلت

دی اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا۔ اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں

کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے لئے ہر شے مہیا کر دی گئی ہے۔ بے شک یہ کھلا ہوا

فضل ہے۔ اور جمع ہوا لشکر سلیمان کے لئے بن و انس اور پرندوں کا اور وہ درجہ

بدرجہ ایک نظم و ضبط کے ساتھ آگے پیچھے چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ وادی

محل میں پہنچے تو ایک چوٹی نے کہا کہ اے چوٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس

جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند ڈالے۔ چوٹی کی یہ بات سن

سلیمان ہنس پڑے اور کہا۔ اے پروردگار! مجھ کو توفیق دے کہ میں تیرا شکر

ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کیا ہے اور یہ کہ میں نیک

عمل کروں جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہے اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک

بندوں میں داخل سرما۔

چونٹیوں جیسی ننھی مخلوق کا اپنا ایک طرز معاشرت ہے۔ اس ننھے

سے حشرات الارض میں وہ تمام نظام ہائے زندگی موجود ہیں جو حضرت انسان

کی زندگی میں داخل ہیں۔ چونٹیوں کا خاندان ہزاروں انفرادی پر مشتمل ہوتا ہے

اس میں مختلف شکل اور رنگ روپ کی چونٹیاں ہوتی ہیں۔ پورے خاندان میں

ایک ملکہ ہوتی ہے۔ پوری آبادی میں اس کا حکم چلتا ہے اور ہر کن اس کے حکم

کا پابند ہوتا ہے۔ آبادی میں فنکار چونٹیاں بھی ہوتی ہیں، انجینیرز بھی ہوتے

ہیں، ماہر باغبانی بھی ہوتے ہیں اور ان کی فوج بھی ہوتی ہے۔ ان میں ایثار و

قربانی کا جذبہ بدرجہہ اتم موجود ہوتا ہے۔ تمام ارادین اپنے فرائض مکمل طور پر

انجام دیتے ہیں۔ چونٹیوں میں نر (MALE) اور مادہ (FEMALE) دونوں

ہوتی ہیں۔ لیکن ملکہ کے سوا کوئی اور چونٹی تولید کا کام انجام نہیں دے سکتی۔ اگر

اتفاقاً ملکہ مر جائے تو شہد کی ملکہ کی طرح ننھی ملکہ کا تخت سر نہیں ہوتا بلکہ دوسری

کالونی میں ضم ہو جاتی ہیں۔ چونٹیوں کی کالونی تقسیم کار کا نہایت اعلیٰ نمونہ پیش

کرتی ہے۔ مختلف شکل و صورت کی چونٹیوں میں کام منقسم ہوتا ہے اور سب فرائض

کی تکمیل پوری دیانت سے انجام دیتی ہیں۔ کارکن غذا مہیا کرنے اور نئی نسل کی پرورش

اور دیکھ بھال کرنے کا کام کرتے ہیں۔ مزدور بار برداری کا کام کرتے ہیں۔ نر

تناسل کا کام انجام دیتے ہیں اور ان کا وجود اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب

تک ملکہ حاملہ نہ ہو جائے۔ اس کے بعد یہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتے ہیں۔

شہد بھری چونٹی | چونٹی کی ایک قسم شہد کی چونٹی (HONEY ANT) ہوتی



ہے جو پھلوں کا رس اپنے پیٹ میں جمع کر لیتی ہے اور اس کے بعد وہ اپنے گھر میں اٹنی لٹاک جاتی ہے۔ دوسری چیونٹیاں، ملکہ اور بچے اس کا رس چاٹتے ہیں اور یہ بے چاری جذبہ ایشار و الفت میں معلق رہتی ہے تا وقتہ کہ تمام شہد ختم نہ ہو جائے۔

**یاغبان چیونٹیاں** | ایک قسم یاغبان چیونٹیوں کی ہوتی ہے جو باغ لگاتی ہیں۔ یہ باغ پھپھوند کے ہوتے ہیں۔ یہ کمال مہارت سے باغوں کی افزائش اور پرواخت کرتی ہیں۔ یہ باغ مکان کی گیلریوں اور خانوں میں لگائے جاتے ہیں۔ چیونٹیوں کے لئے یہ باغ پھلوں کے باغات کا کام کرتے ہیں، اس لئے کہ چیونٹیاں ان باغات کو غذا کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یہ غذا آبادی کے تمام افراد استعمال کرتے ہیں۔

**مزدور چیونٹیاں** | مزدور چیونٹیاں غلہ جمع کرتی ہیں اور اس کو خانوں میں ذخیرہ کرتی جاتی ہیں جو مزدور ت پڑنے پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یہ مزدور چیونٹیاں اتنی سختی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات اپنے جسم سے دس گنا وزن اٹھا کر لے آتی ہیں۔

**انجینیر چیونٹیاں** | انجینیر چیونٹیاں اپنی مہترمدی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ یہ درمیان میں ایک بڑا سا کمرہ بناتی ہیں جو شاہی محل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کمرہ انتہائی صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ اس میں ملکہ قیام کرتی ہے۔ مزدور اور کارکن دونوں ملکہ کی خدمت گزار ہیں اور رہتے ہیں۔ یہ شاہی محل گیلریوں کے ذریعے ہر طرف سے ملا ہوتا ہے۔ ان گیلریوں

میں جگہ جگہ عام خانے ہوتے ہیں جن میں یا تو غذا کا ذخیرہ ہوتا ہے یا مزدور کارکن رہتے ہیں۔ ان کا قلعہ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ اس پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور شدید تشنہ بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

**درزی پھونٹیاں** | پھونٹیوں میں ماہر درزی بھی ہوتی ہیں۔ یہ زیادہ تر جنگوں میں رہتی ہیں اور درختوں پر بسیرا کرتی ہیں۔ ان کے کارکن

بڑی مہارت سے پتوں کا کوہ (COCON) بنا کر انڈوں سے نکلنے والے چھوٹے کیڑے (لاروے) ان میں حفاظت سے رکھ دیتے ہیں اور اس طرح یہ پرندوں کے حملوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ پھونٹیاں سینے پر ونے میں اس قدر ماہر ہوتی ہیں کہ ان کی جوڑی ہوئی کوئی پھونٹیاں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی ماہر درزی نے سلانی کی ہو۔

**سائنس دان پھونٹیاں** | ایک قسم فوجی پھونٹیوں کی ہوتی ہے جو زیادہ تر خانہ بدوش ہوتی ہیں۔ ان کے طور طریق فوجیوں

سے ملتے جلتے ہیں۔ جس طرح فوجی زندگی کیمپ اور جنگوں میں بسر ہوتی ہے، اسی طرح کا طرز رہائش ان کا بھی ہے۔ یہ پھونٹیاں ایک قافلے کی شکل میں سفر کرتی ہیں۔ ملکہ اپنے مہاجرین کے وسط میں ہوتی ہے۔ دن بھر یہ قافلہ رواں دواں رہتا ہے اور جو کیسٹرا ان کے راستے میں حائل ہوتا ہے، محافظ پھونٹیاں انہیں ہلاک کر دیتی ہیں۔ رات کے وقت کسی درخت پر ایک ستون کی شکل میں جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کے اکٹھے ہونے کا انداز بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ ملکہ اور اس کے مہاجرین وسط میں ہوتے ہیں۔ ارد گرد کارکن اور سپاہی ہوتے ہیں۔ اکٹھے

ہوتے وقت یہ گیلریوں کی طرح درمیان میں راستہ چھوڑتی جاتی ہیں تاکہ ہوا کا گزر ہو سکے۔ گویا تنفس (RESPIRATION) کے سائنسی اصولوں سے کبھی واقف ہوتی ہیں۔ رات بھر اسی طرح آرام کرتی ہیں اور سورج طلوع ہوتے ہی ان میں سے ایک درجن چیونٹیاں علیحدہ ہو جاتی ہیں اور چلنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان کے چلتے ہی دوسری چیونٹیاں بھی ان کے ہمراہ روانہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح یہ قافلہ پھر روال دوال ہو جاتا ہے۔

ٹائم اسپیس سے آزاد چیونٹی | چیونٹیوں میں ایک قسم ایسی چیونٹیوں کی ہوتی ہے جن میں ہوا میں تحلیل ہونے اور فاصلوں

کو حذف کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ سائنس دانوں کے سیکڑوں تجربات کی روشنی میں یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ ان چیونٹیوں میں ہوا میں تحلیل ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو ملکہ کا جسم بڑا ہو جاتا ہے۔ پھر مصابحین اور کارکن ملکہ کی زیادہ خدمت کرنے لگتے ہیں۔ اور ملکہ کے انڈے دینے کے بعد نئی آبادی ظہور میں آتی ہے۔ ملکہ چھ سات دنوں میں بیٹن سے تیس تک انڈے دیتی ہے جن کو کارکن بڑی مستعدی سے ملکہ کے جسم سے علیحدہ کرتے ہیں اور پھر ان انڈوں کو ایک جگہ حفاظت سے رکھ دیا جاتا ہے۔ چند دنوں میں انڈوں سے چھوٹے چھوٹے کیڑے نکل آتے ہیں اور آہستہ آہستہ بالغ چیونٹیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جہاں تک ملکہ کا تعلق ہے، تقریباً نصف درجن انڈے ایسے ہوتے ہیں جن کی دیکھ بھال کارکن خصوصی طور پر کرتے ہیں۔ ان میں پانچ چھ ملکائیں

نکلتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں پرانی آبادی کے افراد چھ یا سات حصوں میں تقسیم ہو کر  
ملکہ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر ملکہ کے کارکن اطاعت گزار ہی اور خدمت گزار ہی  
میں انتہا کر دیتے ہیں۔

یہ ننھا سا حشرہ (INSECT) اس قدر نظم و ضبط اور تعاون سے  
کس طرح کام کرتا ہے۔ اس کو نظم و ضبط اور تعاون باہمی سے رہنے کا طریقہ  
قدرت انپائر (INSPIRE) کرتی ہے۔ اس نظم و ضبط کو کسی طرح  
بھی عقل و شعور کے دائرے سے باہر نہیں کہا جاسکتا۔

قاصد پرندہ | آسمانی کتابوں میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا ایک  
واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعے میں بھی ایک پرندے  
کی دانش مندی کا تذکرہ آیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے عظیم الشان اور بے مثال دربار میں انسانوں کے علاوہ  
جن اور حیوانات بھی درباری خدمات کے لئے حاضر رہتے تھے اور اپنے مراتب  
اور سپرد کردہ خدمات پر بلا چون و چرا عمل کرتے تھے۔

دربار سلیمان علیہ السلام پورے بجاہ و حشم کے ساتھ منعقد تھا۔ حضرت  
سلیمانؑ نے ہڈ ہڈ کو غیر حاضر دیکھ کر فرمایا: "میں ہڈ ہڈ کو موجود نہیں پاتا۔ کیا  
وہ واقعی غیر حاضر ہے۔ اگر اس کی غیر حاضری بے وجہ ہے تو میں اس کو سخت  
سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بتائے"  
ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہڈ ہڈ پرندہ حاضر ہو گیا۔ اور حضرت سلیمانؑ  
کی باز پرس پر اس نے کہا: "میں ایسی خبر لایا ہوں جس کی اطلاع آپ کو نہیں ہے"



وہ یہ ہے کہ عین کے علاقے میں سب کی ملکہ رہتی ہے اور خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کا تخت سلطنت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ منگہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور وہ خدا سے لاشریک کی پیشکش نہیں کرتے۔“

حضرت سلیمان نے کہا: تیرے پتھر اور بھوٹ کا امتحان ابھی ہو جائے گا۔ تو اگر سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور اس کو سببا والوں تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔“

پہلے جب یہ خط لے کر پہنچا تو ملکہ آفتاب پرستی کے لئے جا رہی تھی۔ پہلے راستے ہی میں یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔ جب یہ خط گرا تو ملکہ نے اٹھا کر پڑھا اور اپنے درباریوں سے کہا: ابھی میرے پاس ایک مکتوب آیا ہے جس میں درج ہے کہ یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تم کو ہم سے کشتی اور سر بلندی کا اظہار نہ کرنا چاہیے اور تم میرے پاس حسد کی فرماں بردار بن کر آؤ۔“

ملکہ سب نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا: اے میرے ار ائین سلطنت! تم جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر بھی اقدام نہیں کرتی، اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

ار ائین حکومت نے عرض کیا: جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے، اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا مشورے کا معاملہ تو آپ جو چاہیں، فیصلہ کریں۔ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔“

ملکہ نے کہا۔ جس عجیب طریقے سے سلیمان کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ  
 ہمیں اس بات کا سبق دیتا ہے کہ سلیمان کے معاملے میں سوچا سمجھا کر کوئی قدم اٹھایا  
 جائے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمان کے لئے عمدہ اور  
 بیش قیمت تحائف لے جائیں۔

جب ملکہ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان کی خدمت میں  
 حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ تم اپنے تحائف واپس لے جاؤ اور اپنا ملک سے کہو  
 کہ اگر اس نے میرے پیغام کو قبول نہیں کیا تو میں عظیم الشان لشکر کے ساتھ سبا  
 والوں تک پہنچوں گا اور تم اس کی مدافعت اور مقابلے سے عاجز رہو گے۔  
 قاصد نے واپس آکر ملکہ سبا کے سامنے صورت حال بیان کر دی اور  
 حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت و شوکت کا خوب منظر دکھاتا تھا، حیرت بہ حیرت کہہ  
 سنایا اور بتایا کہ ان کی حکومت مدت انسانوں ہی پر نہیں ہے بلکہ جنات اور حیوانات  
 بھی ان کے تابع و سرمان اور مستخر ہیں۔

ملکہ نے جب یہ سارے احوال سنے تو اس نے طے کر لیا کہ حضرت سلیمان کی  
 آواز پر لبیک کہنا ہی مناسب ہے چنانچہ وہ ان کی خدمت میں روانہ ہو گئی۔ سلیمان  
 کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ انہوں نے اپنے درباریوں کو  
 مخاطب کر کے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت  
 شاہی اس دربار میں موجود ہو۔

ہسروں پر سفر | ایک دیو پیکرین نے کہا۔ آپ کے دربار برخواست کرنے  
 سے پہلے ہی میں تخت لا سکتا ہوں۔ جن کا دعویٰ سن کر

ایک انسان نے جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا، یہ کہا: "اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے یہ تخت میں آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

سلیمانؑ نے رُخ پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سبا کا تخت موجود تھا۔ تخت کے دربار میں آچکنے کے بعد سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس تخت کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا یہ دیکھ کر حقیقت کی راہ پاتی ہے یا نہیں۔

کچھ عرصے بعد ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں باریاب ہو گئی اور جب دربار میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ عقلمند ملکہ نے جواب دیا: "ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔" ملکہ سبا نے اس کے ساتھ ہی یہ کہا: "مجھ کو آپ کی بے نظیر اور عظیم المثال قوت کا پہلے سے علم ہو چکا ہے۔ اس لئے میں مطلع اور سرماں بردار بن کر حاضر خدمت ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا تازہ مظاہرہ ہے اور ہماری اطاعت کیلئے مزید تازیانہ۔ اس لئے ہم پھر آپ سے فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں۔"

سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسان اینجینئروں سے ایک عالی شان محل تعمیر کروایا تھا جو آبنگینوں کی چمک، قصر کی رفعت اور عجیب و غریب سجاوٹ کی وجہ سے بے مثال تھا۔ اس میں داخل ہونے کے لئے سامنے جو صحن پڑتا تھا اس میں ایک بڑا حوض کھدوا کر پانی سے لبریز کر دیا تھا۔ اور پھر شفاف آبنگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنایا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکہ کھا کر یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں شفاف پانی بہ رہا ہے۔

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ وہ قصر شاہی میں قیام کرے۔ ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو شفاف پانی بہتا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر پانی میں اترنے کے لئے کپڑوں کو پنڈلیوں سے اوپر اٹھایا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پانی نہیں ہے۔ سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آبلگیوں سے بنایا گیا ہے۔"

شرم سے ملکہ کی آنکھیں نمی ہو گئیں۔ اس کی ہنسم اور دانش مندی پر یہ ایک زبردست چوٹ تھی۔ اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی نخوت اور بڑائی نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ملکہ نے ایک نادم اور شرمسار انسان کی طرح سلیمان کے سامنے بارگاہِ الہی میں اترار کیا۔

"اے پروردگار! آج تک ماسوا اسٹر کی پرستش کر کے میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مگر اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر صرف ایک خدا پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔"

ہزار ہا مثالوں میں سے یہ چند مثالیں جو پیش کی گئی ہیں ان سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان کی طرح دوسری تمام مخلوق یعنی پرندے، پرندے، درندے، جنات اور حشرات الارض بھی عقل و شعور رکھتے ہیں۔



## اِجَادَاتِ كَاتُون

اللہ نے فرمایا: ہم نے واؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا جو اللہ کی طرف سے انسپائر (INSPIRE) ہوا ہے۔  
انسپائر ہونا خواہ وہ سن کر ہو یا کوئی منظر دیکھ کر ہو، بہر صورت وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ چوں کہ اللہ کے پیغمبروں پر وحی کے ذریعے علم کا نزول ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو وہ اللہ ہی کا علم ہوتا ہے۔

مختلف سائنسی ایجادات مثلاً ہوائی جہاز، کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون وغیرہ کی ایجاد بھی اس وقت ممکن ہوئی جب لوگوں کو اللہ کی طرف سے نئی نئی ایجادات و اختراعات کا علم انسپائر کیا گیا، اس لئے کہ بغیر علم کے کسی چیز کا وجود زیر بحث نہیں آتا۔ انسان کو وہ چیز مل جاتی ہے جس کی اسے تلاش ہوتی ہے۔ اللہ کے یہاں اس بات کی خصوصیت نہیں کہ وہ اللہ کو مانتا ہے یا نہیں۔

اللہ کی سنت | قانون یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کے ساتھ تن من وھن سے کسی چیز کی تلاش میں لگ جائے اور تلاش کو زندگی کا مقصد قرار دے لے تو وہ چیز اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔ پہلے بھی جاری تھی، اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔

اُسی بات کو ہمارے بزرگوں نے دو لفظوں میں بیان کیا ہے۔ "جو تندرہ یا بندہ"۔  
 بہت سے لوگوں نے زمین کے اندر موجود دھات یورینیم (URANIUM)  
 کی تلاش شروع کی۔ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ لیکن وہ لگن کے ساتھ اس  
 کام میں مصروف رہے۔ اور ایک دن انہوں نے یورینیم کو پا لیا۔ یہ وہی دھات  
 ہے جو ایٹم بم کی تیاری میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔

قرآن اور دیگر آسمانی صحائف میں اللہ نے حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں  
 صرف کہانی بیان نہیں کی کہ کہانیاں سنا کر ہمیں مرعوب کرے۔ اللہ ہمیں کیا مرعوب  
 کرے گا، ہماری حیثیت اور حقیقت ہی کیا ہے؟ اللہ کے علوم لاتنا ہی ہیں۔ اللہ  
 کا منشا یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آگے بڑھنا دیکھ کر خود بھی فخر دم بڑھائیں۔ اس کہانی  
 کا منشا یہ ہے کہ ہم بھی ہدایت کی راہ اختیار کریں۔ اللہ نے اس ضمن میں جنات کا  
 تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جنات انسانوں کے زیر اثر آسکتے ہیں۔ اگر  
 لوگ اس علم کو آسمانی کتابوں میں تلاش کریں جس کو علم الکتاب کہا گیا ہے تو یقیناً  
 وہ علم انہیں مل جائے گا جو انسان کو نہ صرف جنات پر بلکہ پوری کائنات پر فوقیت  
 دیتا ہے۔

لازمائیت

(TIMELESSNESS)

ہد ہد کا دیر سے آنا اور سلیمانؑ کو ملنے کیساتھ  
 متعلق اطلاق دینا اور یہ بتانا کہ وہ اور اس کی

قوم آفتاب پرست ہے اور ہد ہد کا پیغام لے کر جانا، یہ سب باتیں نکات سے  
 خالی نہیں ہیں۔ ان باتوں میں اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے۔

پہلی حکمت تو یہ ہے کہ سلیمانؑ جو انسان تھے انسانوں، جنات، پرندوں،

چندوں اور دزدوں پر حکومت کرتے تھے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی سرکشی کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا اور اگر سرکشی کرتا تو اسے سزا دی جاتی جیسا کہ سلیمانؑ نے ہڈ کے لئے کہا تھا۔  
تیسری حکمت یہ ہے کہ باوجود اتنے بڑے لشکر کے جس میں جنات، انسان، پرندے وغیرہ شامل تھے، اللہ انہیں اس تمام لشکر کی شکم پڑی کے لئے رزق فراہم کرتا تھا۔

اس قصے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ایک ایسا جن بھی تھا جو ایک یا دو ساعت میں ملکہ سیا کا تخت یمن سے بیت المقدس لاسکتا تھا۔ یمن اور بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے۔

اس قصے سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی رسائی جنات سے بھی زیادہ ہے کیوں کہ وہ کتاب کا علم رکھتا ہے، حتیٰ کہ ایک ایسا ہی انسان علم کے زور پر ملکہ کا تخت ایک آن میں لے آیا۔ اللہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آسمانی کتابوں میں وہ علم موجود ہے جس سے ذریعہ انسانی ہر طرح کا استفادہ کر سکتی ہے۔ اس میں تہی ہونے کی کوئی شرط نہیں بلکہ ہر بندے کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے۔ کتاب کا علم سیکھ کر بندہ ایسی مسند پر قیام فرما، جو جانتا ہے جہاں اسے کائنات میں تفرق کرنے کی صلاحیت ودیعت کر دی جاتی ہے۔

اس صلاحیت کو اگر کوئی بندہ شکر ادا سے اور سمجھے کہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں اس علم کو سمجھ سکوں، تو یہ غلط ہے اس لئے کہ اللہ نے سلیمانؑ کے قصے میں بندے کا تذکرہ کر کے یہ صلاحیت عام کر دی ہے بشرطیکہ وہ تفکر سے کام لے اور اسے

تلاش کرے۔

یہ قانون بیان کر کے پیغمبروں کی فضیلت کم کرنا ہمارا منشا نہیں ہے پیغمبر اللہ کے منتخب اور نوع انسانی کا جو ہر ہوتے ہیں۔ اور نوع انسانی کے تمام علوم کا مخزن و منبع بھی اللہ کے فرستادہ پیغمبر ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ نوع انسانی کا ہر فرد پیغمبروں کے علم سے استفادہ کر کے ماورائی دنیا میں تہرہ کر سکتا ہے۔

جلی اور فطری تقاضے | انسان دو تقاضوں سے مرکب اور محرک

ہے۔ ایک تقاضا جلی ہے اور دوسرا

فطری۔ جلی تقاضے پر ہم با اختیار ہیں اور فطری تقاضے پر ہمیں کسی حد تک تو اختیار ہے مگر اس ارادے کو کلیتاً رد کرنے پر اختیار نہیں رکھتے۔ یہ ایک نظام ہے جو جبلت اور فطرت پر قائم ہے۔ جبلت میں ہر نوع اور ہر نوع کا ہر فرد ایک دوسرے سے محسوساتی رشتہ رکھتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس طرح ایک ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے اور اپنے بچے کی تربیت کر کے اُسے پروان چڑھاتی ہے، اسی طرح ایک بی بی بھی اپنے بچے سے محبت کرتی ہے، اپنے بچے کی تربیت کرتی ہے اور گرم دوسروں سے اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے۔ مرعی بوزین پر چلنے والا ایک پرندہ ہے، وہ بیک وقت اپنے کئی کئی بچوں کو اپنے ساتھ رکھتی ہے اور ہر طرح سے ان کی حفاظت اور تربیت کرتی ہے۔ ماں کوئی بھی ہو وہ مرعی ہو، کبوتر ہو، شیرنی ہو، بکری ہو، ماما کا جذبہ تمام نوعوں میں مشترک ہے۔ جبلت میں کوئی بھی فرد اپنے ارادے اور اختیار سے تبرا جلی کر سکتا ہے لیکن



فطرت میں کسی نوع کا کوئی عنصر تبدیل نہیں کر سکتا۔ پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔  
 پیدائش کے بعد بھوک پیاس کا تقاضا بھی ایک فطری عمل ہے۔ اسی طرح کوئی  
 آدمی، کوئی عنصر خواہ زمین کے کسی خطے پر موجود ہو، اس بات پر اختیار نہیں  
 رکھتا کہ وہ ساری زندگی کچھ نہ کھائے، ساری زندگی سوتا رہے یا جاگتا رہے۔  
 ہر آدمی یا ہر نوع کا ہر عنصر درجین طرح کھانا کھانے اور پانی پینے پر مجبور ہے اسی طرح  
 سونے اور جاگنے پر بھی مجبور ہے۔ اس توہم کے پیش نظر یہ بات منکشف ہوتی  
 ہے کہ انسان اور کائنات میں ہر فرد جبلت اور فطرت کے اعتبار سے آپس میں  
 ایک ذہنی ارتباط رکھتا ہے اور ایک مشترک رشتے میں منسلک ہے۔ جب ہم  
 فطرت اور جبلت کا گہرائی میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک نیا شعور حاصل ہوتا  
 ہے۔ یہ شعور انسان اور جنات کے علاوہ کسی دوسری نوع کو حاصل نہیں ہے۔ جب  
 انسان کے اندر سوچ اور تفکر کا یہ شعور متحرک ہو جاتا ہے تو اس کی نظر، اس کی فہم، اس  
 کا ادراک اور اس کی بصیرت اسے لازماً اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ با اختیار  
 انسان مجبور محض بھی ہے۔ اور یہ مجبور ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری امت تمام  
 زندگی کا کنٹرول کسی ایسی ہستی کے ہاتھ میں ہے جس کا اختیار کائنات کے اوپر محیط  
 ہے۔ مذاہب اس ہستی کے مختلف نام رکھتے ہیں۔

اسلام اس ہستی کو اللہ کے نام سے متعارف کرتا ہے، عیسائیت اس  
 عظیم اور دبے والی ہستی کو گاڈ (GOD) کا نام دیتی ہے، ہندومت اس  
 بزرگ و برتر ہستی کو بھگوان کہتا ہے۔ کوئی یزدان اور کوئی ایلیا کہہ کر پکارتا ہے۔ مخقر  
 یہ کہ ہر مذہب اس عظیم ہستی سے متعارف کرانے کا کوئی نہ کوئی اسلوب ضرور رکھتا ہے۔

# انتقنا

غور و فکر کیا جائے تو سوچنے اور سمجھنے کے کئی رخ متعین ہوتے ہیں۔  
 تفصیل میں جانے کے بجائے ہم دور رخ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو علمی  
 اعتبار سے مستحکم ذہن ہیں یعنی ایسا ذہن رکھتے ہیں جس میں شک و شبہ کی گنجائش  
 نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا یقین ہے کہ ہر چیز اس کی دنیا میں کوئی بھی حیثیت  
 ہو، اچھوٹی ہو یا بڑی، راحت ہو یا تکلیف سب اللہ کی طرف سے ہے، ان لوگوں  
 کے مشاہدے میں یہ بات آجاتی ہے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے یا جو ہو رہا ہے  
 جو ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے اس کا براہ راست تعلق اللہ کی ذات سے  
 ہے۔ یعنی جس طرح اللہ کے ذہن میں کسی چیز کا وجود ہے اسی طرح اس کا مظاہرہ  
 ہوتا ہے۔ فلسفیانہ طرز فکر کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اس بات کو چند مثالوں میں  
 پیش کرتے ہیں۔

زندگی کا ہر عمل اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ اس حیثیت میں معانی پہنانا  
 دراصل طرز فکر میں تبدیلی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ ہر چیز جس کا وجود اس دنیا  
 میں ہے یا آئندہ ہوگا، وہ کہیں پہلے سے موجود ہے۔ یعنی دنیا میں کوئی چیز اس وقت  
 تک موجود نہیں ہو سکتی جب تک وہ پہلے سے موجود نہ ہو۔ کوئی آدمی اس لئے پیدا  
 ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے کہیں موجود ہوتا ہے۔ آدمی زندگی کے نشیب و

قرآن دن اور ماہ و سال کے وقفے پہلے سے ایک فلم کی صورت میں ریکارڈ ہیں۔ اس فلم کو ہم کائناتی فلم یا "لوح محفوظ" کہتے ہیں۔

کائناتی فلم | ایک آدمی جب عاقل، بالغ اور یا شعور ہوتا ہے تو اسے زندگی گزارنے کے لئے وسائل کی ضرورت پیش آتی ہے

اور وسائل کو حاصل کرنے کے لئے روپیہ پیسہ ایک میڈیم کی حیثیت رکھتا ہے بات کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی کے لئے پیدا کرنے والی ہستی نے ایک لاکھ روپے متعین کر دیے اسی طرح جیسے ایک لاکھ روپے کسی بینک میں جمع کر دیے جاتے ہیں۔ وسائل کو استعمال کرنے کے لئے آدمی کو شش اور جدوجہد کرتا ہے۔ کوشش اور جدوجہد جیسے جیسے کامیابی کے مراحل طے کرتی ہے اس کو روپیہ ملتا رہتا ہے۔ اور ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر کائناتی مسلم (لوح محفوظ) میں وسائل کاریکارڈ اور زرمبادلہ متعین نہ ہو تو ڈسپلے (DISPLAY) ہونے والی فلم نامکمل رہتی۔ ایک آدمی کے نام سے بینک میں کروڑوں روپے کا زرمبادلہ موجود ہے لیکن وہ اسے نہ استعمال کرتا ہے۔ ورنہ ہی اس طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ زرمبادلہ اس کے کام نہیں آتا۔

ایک طرز فکر یہ ہے کہ ایک آدمی باوجود اس کے کہ ضمیر ملامت کرتا ہے اپنی روزی حرام طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ رزق حلال سے بھی دور وئی کھاتا ہے اور رزق حرام سے بھی دادہ شکم سیری کرتا ہے۔ لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ اس دنیا میں اسے جو کچھ مل رہا ہے وہ پہلے سے فلم کی صورت میں موجود ہے۔

ایک آدمی محنت مزدوری کر کے ضمیر کی روشنی میں روپیہ حاصل کرتا ہے۔

دوسرا آدمی ضمیر کی ملامت کی پروا نہ کرتے ہوئے روپیہ حاصل کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس سے وہی روپیہ مل رہا ہے جو لوح محفوظ پر اس کے لئے جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے اور انتہائی درجہ نادانی ہے کہ ایک آدمی اپنی ہی حلال پسینہ کو حرام کر لیتا ہے۔

طرف اور مقدر | ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ گھوڑے

سے اتارے۔ قریب سے ایک بدو گزرا۔ اسے آواز دے کر بلایا اور کہا: "گھوڑی دیر کے لئے گھوڑے کی لگام کپڑو۔ میں اتنے میں نماز ادا کر لوں۔"

بدو نے حامی بھری۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی نیت باندھ لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز قائم کر کے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ بدو نے سوچا موقع اچھا ہے۔ گھوڑا ہضم کرنا تو مشکل تھا۔ لگام لے کر چلتا بنا۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ گھوڑا موجود ہے لیکن لگام اور بدو دونوں غائب ہیں۔ اتنے میں آپ کے خادم قبیر کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے انہیں دو درہم دیکر کہا: "بازار سے ایک لگام خرید لاؤ۔"

قبیر بازار پہنچے تو دیکھا کہ ایک بدو لگام لئے کسی خریدار کا منتظر ہے۔ قبیر نے لگام کو پہچان لیا۔ اور بدو کو پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے آپ نے پوچھا: "اسے کیوں پکڑا ہے؟"

قبیر نے جواب دیا: "حضور! یہ آپ کے گھوڑے کی لگام ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "یہ اس کی کیا قیمت مانگ رہا ہے؟"



قبر نے جواب دیا۔ "دو درہم۔"

آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اسے دو درہم دے دو۔" اور فرمایا۔ "میں نے یہ سوچ کر اسے لگام پکڑائی تھی کہ نماز سے فارغ ہو کر اسے خدمت کے عوض دو درہم دوں گا۔ یہ اس کا طرف ہے کہ اس نے اپنا مقدر دوسری طرح لینا پسند کیا۔"

شیخ زکریا کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ **سات چور** ہر وقت اپنا احسان جتنا کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میں کھلاتا ہوں،

میں پلاتا ہوں۔ اور کبھی کہتا ہے میں ہی رزق فراہم کرتا ہوں۔ اگر ہم کھانا نہ کھائیں تو کوئی طاقت ہمیں کھانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ یہ سوچ کر کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ جب پوری بچوں نے زیادہ پریشان کیا تو گھر چھوڑ کر ایک پرانے قبرستان میں وہ جا بیٹھے شام

ہوئی تو ایک صاحب اپنی منت پوری کرنے کے لئے قبرستان میں موجود ایک مزار پر حاضر ہوئے۔ فاتحہ کے بعد انہوں نے شیخ کو بھی تبرک دیا۔ شیخ کے انکار اور اس شخص کے امرارنے عجیب صورت حال پیدا کر دی۔ وہ شخص یہ سمجھ کر کہ شیخ کوئی دیوانے

ہیں ایک پڑیا میں کچھ لڈو پیٹے اور ایک جھاڑی کے نیچے رکھ دیے کہ جب اس شخص کے حواس درست ہوں گے تو کھائے گا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر گئی تو قبرستان میں چور داخل ہوئے اور انہوں نے چوری شدہ مال کی تقسیم شروع کی تو شیخ اٹھ

بیٹھے۔ چوروں کے کان کھڑے ہوئے اور آپس میں یہ طے پایا کہ یہ شخص کوئی مجرب ہے انہوں نے جلدی جلدی اپنا مال سمیٹ کر پوٹلی میں باندھ لیا اور شیخ پر سوالات کی پوچھا کر دی۔ شیخ کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔ اس نکرار میں چوروں میں

سے ایک چور کی نظر جھاڑی کے نیچے رکھی ہوئی پڑیا پر پڑی۔ پڑیا کو کھول کر دیکھا تو

اس میں سات لڈو تھے۔ اور پور بھی اتفاق سے سات تھے۔ پوروں کا سردار بولا کہ یہ شخص بھی کوئی پور ہے اور بہت چالاک پور ہے۔ اس نے لڈوؤں میں زہر ملا دیا تاکہ ہم سب کھا کر مر جائیں اور یہ ہمارے مال پر قبضہ کر لے۔ سردار نے کہا یہ سارے لڈو اسے کھلا دیے جائیں تاکہ اس کی سازش خود اس کو ہلاک کر دے۔ دو آدمیوں نے دونوں پیر پکڑے، دو آدمیوں نے دونوں ہاتھ پکڑے۔ ایک آدمی نے سر پکڑا ایک آدمی سینے پر بیٹھ گیا اور ایک آدمی نے اُن کا منہ کھول کر اس میں لڈو ڈال دیا جب شیخ نے اس حال میں بھی لڈو کھانا نہیں چاہا تو اس شخص نے زور زور سے تھپڑ مارنے کیے اور انگلی کے ذریعے لڈو شیخ کے سلق میں اتار دیا۔ اس جبر و تشدد کے دوران ساتوں لڈو شیخ کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ یہ کارنامہ انجام دینے کے بعد ساتوں پور سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئے۔

شیخ اٹھے اور بہت حسرت و یاس کے ساتھ اہٹوں نے جب آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو آواز آئی "اے معزرتبدے! گھر چلا جا، ورنہ روزانہ ہم اسی طرح کھلائیں گے۔"

لوگری میں حلوہ

ایک شخص بستی چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ ایک وقت، دو وقت بھوکا رہا کہ میں جب کھانا نہیں کھاؤں گا تو مجھے کون کھلائے گا۔ تیسرے وقت بھوک اور پیاس کی وجہ سے حالت غیر ہو گئی۔ دل میں خیال آیا کہ پانی پی لیا جائے تو کوئی حسیں نہیں۔ قریب ہی ایک نہر نکلتی۔ جب وہ شخص نہر کے قریب پہنچا تو پانی کے بہاؤ کے ساتھ ایک لوگری آتی ہوئی نظر آئی۔ شخصس پیدا ہوا کہ اس لوگری میں کیا ہے۔ لوگری کو کھولا تو اس میں ایک پرت نکلتی اور اس پرت میں



روحانیت ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغنا ہو۔ استغنا کے لئے ضروری ہے کہ قادرِ مطلق ہستی پر توکل ہو۔ توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کرتی ہو جو نظرِ غیب میں دیکھتی ہے۔ بصورتِ دیگر کبھی کسی بندے کو سکون میسر نہیں آسکتا۔ آج کی دنیا میں عجیب صورتِ حال ہے کہ ہر آدمی دولت کے انبار اپنے گرد جمع کرنا چاہتا ہے اور یہ شکایت کرتا ہے کہ سکون نہیں ہے۔ سکون کوئی عارضی چیز نہیں ہے۔ سکون ایک کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ ایسی چیزوں سے جو عارضی ہیں فانی ہیں اور جن کے اوپر ہماری ظاہری آنکھوں کے سامنے بھی موت وارد ہوتی رہتی ہے، ان سے کس طرح سکون مل سکتا ہے۔ استغنا ایک ایسی طرزِ فکر ہے جس میں آدمی فانی اور مادی چیزوں سے ذہن ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں تفکر کرتا ہے۔ یہ تفکر جب قدم قدم چلا کر کسی بندے کو غیب میں داخل کر دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے۔ جیسے یقین کی کرن دماغ میں بھونکتی ہے وہ نظر کام کرنے لگتی ہے جو نظرِ غیب کا مشاہدہ کرتی ہے۔ غیب میں مشاہدے کے بعد کسی بندے پر جب یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ ساری کائنات کی باگ ڈور ایک واحد ہستی کے ہاتھ میں ہے تو اس کا تمام تر ذہنی رجحان اس ذات پر مرکوز ہو جاتا ہے اور اس مرکزیت کے بعد استغنا کا درخت آدمی کے اندر شاخ در شاخ پھیلنا رہتا ہے۔



قومی اور انفرادی زندگی | کائنات کی تمام حرکات و سکنات ایک قلم کی صورت میں ریکارڈ ہیں۔ جس جس

طرح اس مسلم میں کائناتی مظاہر کے نقوش موجود ہیں اسی طرح بے شمار کھشائی نظاموں میں نشر ہو رہے ہیں۔ بات جہد و جہد، کوشش اور اختیار کی ہے اگر جہد و جہد اور کوشش نہیں کی جاتی تو زندگی میں خلا واقع ہو جاتا ہے۔ یہ عمل انفرادی اور قومی دونوں صورتوں میں ازل تا ابد جاری ہے۔

اللہ کا قانون ہے کہ جب کوئی بندہ جہد و جہد اور کوشش کرتا ہے اور اس جہد و جہد اور کوشش کا ثمر کسی نہ کسی طرح اللہ کی مخلوق کے کام آتا ہے تو وسائل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ زمین پر اللہ نے جتنی بھی اشیاء تخلیق کی ہیں ان کے اندر بے شمار صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں۔ کوشش سے جب ان اشیاء کے اندر صلاحیتوں کو متحرک کر دیا جاتا ہے یا ان اشیاء میں محفوظ مخفی صلاحیتوں کا کھوج لگایا جاتا ہے تو ایجادات کے بے شمار راستے کھل جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے لوہا تخلیق کیا۔ من حیث القوم یا انفرادی طور پر جب لوہے کی صفات اور لوہے کے اندر کام کرنے والی صلاحیتوں کا سراغ لگایا جاتا ہے تو لوہا ایک ایسی چیز بن کر سامنے آتا ہے جس میں لوگوں کے لئے بے شمار فائدے ہیں۔ آج کی سائنس اس کا کھلا ثبوت ہے۔ سائنسی ترقی میں مشکل سے کوئی ایسی چیز ملے گی جس میں کسی نہ کسی طرح لوہے کا عمل دخل نہ ہو۔

صورت حال کچھ یوں بنی کہ لوح محفوظ میں انفرادی زندگی بھی نقش ہے اور قومی زندگی بھی نقش ہے۔ انفرادی حدود میں کوئی بندہ جب کوشش اور جہد

جہد کرتا ہے تو اس کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ایک دو چار دس بندے جب کوشش کرتے ہیں تو اس جہد و جہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ کہتا ہے: "میں ان قوموں کی تقدیریں نہیں بدلتا جو قومیں خود اپنی حالت بدلتا نہیں چاہتیں"۔ لوح محفوظ پر یہ بات بھی نقش ہے کہ جو قومیں خود اپنی حالت بدلنے کے لئے کوشش کرتی ہیں ان کو ایسے مسائل مل جاتے ہیں جن سے وہ معزز اور محترم بن جاتی ہیں۔ اور جو قومیں اپنی تبدیلی نہیں چاہتیں وہ محروم اور ذلیل زندگی گزارتی ہیں۔

لوح محفوظ پر لکھے ہوئے نقوش یہ ہیں:

بندہ اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کو اگر صحیح سمجھتوں میں استعمال کرتا ہے تو اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر غلط طرزوں میں استعمال کرتا ہے تو منہی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اختیارات کو اس طرح استعمال کرے کہ جس سے اس کی اپنی فلاح اور اللہ کی مخلوق کی فلاح کا سامان میسر ہو۔ انفرادی فلاح اللہ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی اس لئے کہ اللہ خالق ہے، رب ہے اور ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے انعامات اور اکرامات اور اللہ کے پیدا کئے ہوئے وسائل سے ساری مخلوق فائدہ اٹھائے۔ مختصراً اس بات کو اس طرح سمجھا جائے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب لوح محفوظ میں ریکارڈ ہے۔ اس فلم میں لوگوں کا عروج و زوال بھی لکھا ہوا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ قومیں اگر ان صحیح طرزوں میں اللہ کی زندگی بسر کریں گی تو ان کو عروج نصیب ہوگا اور اگر غلط طرزوں میں عملی

زندگی بسر کریں گی تو غلام بنا دی جائیں گی۔

انبیاء کی طرز فکر | ترقی اور تنزل جب زیر بحث آتا ہے تو ذہن اس طرف بھی متوجہ ہوتا ہے کہ آخر ترقی یا تنزل میں کون

سے عوام کی کارفرما ہیں۔ ابھی ہم بتا چکے ہیں کہ انفرادی یا اجتماعی جدوجہد کے نتیجے میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور انفرادی یا اجتماعی تناسل اور عیش پسندی کے نتیجے میں قوموں کو عروج کے بجائے زوال نصیب ہوتا ہے۔ ترقی کے یہی دو رخ ہیں۔ ترقی یا عزت و توقیر کی ایک حالت یہ ہے کہ کسی فرد یا کسی قوم کو دنیاوی عزت اور دنیاوی دیدہ اور دنیاوی شان و شوکت نصیب ہو۔ ترقی کا دوسرا رخ ہونی اور حقیقی رخ ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں رہتے ہوئے غیب کی دنیا میں بھی جس قدر دیا قوم کی رسائی ہوتی ہے اور اصل وہی اعلیٰ ترقی، عزت اور شان و شوکت ہے۔ ان دو رخوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات پوری طرح سامنے آجاتی ہے کہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کا دار و مدار صرف ظاہری ترقی پر ہے۔ بے شک وہ قومیں جنہوں نے علوم میں تفکر کیا ہے اور جدوجہد کے بعد نئی نئی اختراعات کی ہیں، وہ دنیاوی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ترقی یافتہ قومیں سکون اور اطمینان سے محروم ہیں۔ قلبی اطمینان اور روحانی سکون سے یہ قومیں اس لئے محروم ہیں کہ یہ حقیقت سے بے خبر ہیں یا حقیقتی دنیا سے ابھی ان کا کوئی واسطہ یا تعلق پیدا نہیں ہوا۔ حقیقت میں ذہنی انتشار نہیں ہوتا، حقیقت کے اوپر کبھی خوف اور غم کے سائے نہیں منڈلاتے۔ حقیقتی دنیا سے متعارف لوگ ہمیشہ سکون رہتے ہیں۔ موجودہ دور بے شک ترقی کا دور

ہے لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ جس قدر صعوبتیں پریشانیاں، بے سکونی اور ذہنی انتشار سے نوع انسانی دوچار ہوئی ہے اس کی نظیر پہلے کے دور میں نہیں ملتی۔ وجہ صرف یہی ہے کہ اس ترقی کے پیچھے ذاتی منفعت ہے، وہ انفرادی ہو یا قومی ہو۔ اگر یہ ترقی فی الواقع نوع انسانی کی صلاح و بہبود کے لئے ہوتی تو قوموں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا۔ انفرادی یا اجتماعی ذہن کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر میں اگر یہ بات ہے کہ ہماری کوشش اور اختراعات سے نوع انسانی کو اور اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے تو یہ طرز فکر انبیا کی طرز فکر ہے اور یہی طرز فکر اللہ کی طرز فکر ہے۔ اور ان دونوں طرزوں کا اصطلاحی نام قلد شعور ہے۔ قلد شعور میں بتاتا ہے کہ اگر انسان کے اندر استغنا ہے تو وہ انہی نئی بیماریوں، انہی مصلبتوں اور نئی نئی پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

استغنا حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان کی سوچ اور انسان کی طرز فکر اس طرز فکر سے ہم رشتہ ہو جو اللہ کی طرز فکر ہے۔ ہم جب زمین کے اوپر موجودات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے بے شمار وسائل پیدا کئے ہیں۔ لیکن ان وسائل میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کا تعلق براہ راست اللہ کی کسی ضرورت سے ہو۔ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ باوجودیکہ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی مخلوق کے لئے ایک قانون کے دائرے میں تسلسل کے ساتھ وسائل فراہم کرتا رہتا ہے۔ اگر کسی موسم میں آم کی ضرورت ہے تو ایک نظام کے تحت درخت پر پھول آئے گا، آم لگیں گے اور ان آموں سے لوگوں



کی ضروریات پوری ہوں گی۔ چونکہ انسان وسائل کا محتاج ہے، اس لئے وہ اس طرح تو وسائل سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ وہ ہر طرف سے اپنا رشتہ منقطع کر لے لیکن یہ طرز فکر اختیار کر سکتا ہے کہ یہ وسائل جو میری جدوجہد سے ظہور میں آتے ہیں، پوری نوع انسانی کا حصہ ہیں۔ جس طرح میں ان سے فائدہ اٹھاتا ہوں اسی طرح نوع انسانی کو فائدہ اٹھانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ طرز فکر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان جس طرز فکر کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے ذہنی قربت حاصل ہو۔ مثال کے طور پر اگر آپ کسی نیک آدمی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو اس جیسے کام کرنے لگیں گے۔ کسی جواری کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں تو اس کے ساتھ جو ا کھیلنا شروع کر دیں گے۔ کسی اشرافیے سے دوستی کرنا چاہیں گے تو وہ تمام مشاغل اپنائیں گے جو اشرافوں کے لئے پسندیدہ ہیں۔ جس مناسبت سے ان مشاغل کو یا ان عادات کو اختیار کرتے چلے جائیں گے اسی مناسبت سے آپ کی طرز فکر بدلتی جائے گی۔

اشرافیہ کی عادت | اشرافیہ کی طرز فکر یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بندہ

جب اختیاری طور پر اس طرز فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اشرافیہ کی مخلوق کے کام آئے تو اسے قلندر شعور منتقل ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ طرز فکر مستحکم ہو جاتی ہے تو اس کا ذہن ہر آن، ہر لمحہ اس طرف متوجہ رہتا ہے کہ میں وہ کام کر رہا ہوں جو اشرافیہ کے لئے پسندیدہ ہے۔ بار بار اس عادت یا عمل کا اعادہ ہونے سے پہلے اس کے مشاہدات میں بے شمار ایسے واقعات آتے ہیں کہ

اس کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی تعلق کو استغنا کا نام دیا جاتا ہے۔ پیغمبروں کی ساری زندگی اس عمل سے عبارت ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے اندر استغنا کی طرز فکر راسخ ہوتی ہے۔ انبیاء اس طرز فکر کو حاصل کرنے کا اہتمام اس طرح کیا کرتے تھے کہ وہ کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے۔ ان کی طرز فکر ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ ہے، کسی چیز کا رشتہ براہ راست ہم سے نہیں ہے۔ بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ کی معرفت ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ طرز فکر مستحکم ہو جاتی اور ان کا ذہن ایسے رجحانات پیدا کر لیتا کہ جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تو اس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ کی طرف خیال جاتا۔ انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاً ہونا کہ یہ چیز ہم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس چیز کا اور ہمارا واسطہ محض اللہ کی وجہ سے ہے۔ اس طرز عمل میں ذہن کی ہر حرکت کے ساتھ اللہ کا احساس قائم ہو جاتا ہے اللہ ہی بحیثیت محسوس کے ان کا مخاطب ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اللہ کی صفات ان کے ذہن میں ایک مستقل مقام حاصل کر لیتی ہیں اور ان کا ذہن اللہ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ یہ مقام حاصل ہونے کے بعد بندہ کے ذہن کی ہر حرکت اللہ کی صفات کی حرکت ہوتی ہے اور اللہ کی صفات کی کوئی حرکت قدرت اور حاکمیت کے وصف سے خالی نہیں ہے۔ اولیاء اللہ میں اہل نظامت (اہل

تکوین) کو اللہ کی طرف سے یہی ذہن عطا ہوا ہے اور رشد و ہدایت اور ترقی پر وگرام (INSPIRATION) پر عمل کرنے والے اولیائے کرام اپنی ریاضت اور مجاہدوں کے ذریعے اس ہی ذہن کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

## عمل اور نیت

بُرائی یا بھلائی کا جہاں تک تعلق ہے، کوئی عمل دنیا میں بُرا ہے نہ اچھا ہے۔ دراصل کسی عمل میں معافی پہنانا، اچھائی یا بُرائی ہے۔ معافی پہنانے سے مراد نیت ہے۔ عمل کرنے سے پہلے انسان کی نیت میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی خیر یا شر ہے۔

آگ کا کام جلانا ہے۔ ایک آدمی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے آگ کو کھانا پکانے میں استعمال کرتا ہے تو یہ عمل خیر ہے۔ وہی آدمی اس آگ سے لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالتا ہے تو یہ بُرائی ہے۔

جن قوموں سے ہم مرعوب ہیں اور جن قوموں کے ہم دست نگر ہیں، ان کی طرزِ فکر کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ سائنس کی ساری ترقی کا زور اس بات پر ہے کہ ایک قوم اقتدار حاصل کرے۔ اور ساری نوعِ انسانی اس کی غلام بن جائے۔ یا ایجادات سے اتنے مالی فوائد حاصل کئے جائیں کہ زمین پر ایک مخصوص قوم یا مخصوص ملک مال دار ہو جائے۔ اور نوعِ انسانی غریب اور مفلوک الحال بن جائے۔ کیوں کہ اس ترقی میں اللہ کے ذہن کے مطابق نوعِ انسانی کی صلاح مضمحل نہیں ہے، اس لئے یہ ساری ترقی نوعِ انسانی کے لئے اور خود ان قوموں کے لئے جتنوں نے جد و جہد اور کوشش کے بعد نئی ایجادات کی ہیں مصیبت اور پریشانی بن گئی ہے۔ مصیبت اور پریشانی ایک روز

اوبارین کر زمین کو جہنم بنا دے گی۔

جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے، اس وقت تک ذہن کی مرکزیت قائم رہتی ہے اور عیب یہ یقین غیبی مستحکم ہو کر ٹوٹ جاتا ہے تو آدمی ایسے عقیدے اور ایسے دوسو سوں میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم اور خوف ہوتا ہے۔ حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ انسان کا ہر عمل، ہر فعل، ہر حرکت کسی ایسی ہستی کے تابع ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ماں کے پیٹ میں بچے کا قیام، تو مہینے تک نشوونما کے لئے غذا کی فراہمی، پیدا ہونے سے پہلے ماں کے سینے میں دودھ، پیدائش کے بعد دودھ کی فراہمی، دودھ کی غذائیت سے ایک اعتدال اور توازن کے ساتھ بچے کا بڑھنا، چھوٹے سے بچے کا بڑھ کر سات فٹ کا ہو جانا، جوانی کے تقاضے، ان تقاضوں کی تکمیل میں وسائل کی تکمیل، وسائل فراہم ہونے سے پہلے وسائل کی موجودگی۔ اگر اللہ زمین کو منع کر دے کہ وہ کھیتیاں نہ اگاے تو حصول رزق مفقود ہو جائے گا۔ شادی کے بعد والدین کے دل میں یہ تقاضا کہ ہمارا کوئی نام لینے والا ہو اس درجے میں انتہائی درجے شدت اور اس کے نتیجے میں ماں باپ بننا، ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت پیدا ہونا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اللہ والدین کے دل میں محبت نہ ڈالے تو اولاد کی پرورش کیسے ہو سکتی ہے۔ اولاد کی پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت صرف آدمیوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ جذبہ اللہ کی ہر مخلوق میں مشترک ہے اور اسکی محبت کے سہارے ماں باپ اپنی اولاد کی پرورش



کرتے ہیں، نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے لئے وسائل فراہم کرتے ہیں۔

زمین کے اندر بیج کی نشوونما | عام طور سے یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ محنت اور جدوجہد کے بغیر وسائل کا حصول

ناممکن ہے جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جن وسائل کے حصول میں ہم جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں وہ ایک قاعدے اور قانون کے تحت پہلے سے موجود ہیں۔ کسان جب محنت کر کے زمین میں بیج ڈالتا ہے اور اس بیج کی نشوونما سے انسانی ضروریات کے لئے قسم قسم کی غذائیں فراہم ہوتی ہیں۔ یہ سب اس وقت ممکن ہوتا ہے جب پہلے سے وسائل موجود ہوں۔ مثلاً بیج کا موجود ہونا، زمین کا موجود ہونا، زمین کے اندر بیج کو نشوونما دینے کی صلاحیت کا ہونا، بیج کی نشوونما کے لئے پانی کا موجود ہونا، چاندنی کا موجود ہونا، ہوا کا موجود ہونا اور موسم کے لحاظ سے سرد و گرم فضا کا موجود ہونا۔ اگر بیج موجود نہ ہو یا زمین کے اندر بیج کو نشوونما دینے کی صلاحیت موجود نہ ہو، پانی موجود نہ ہو، ہوا موجود نہ ہو تو انسان کی ہر کوشش بیکار ہو جائے گی۔

اللہ کی ذیلی تخلیق | اللہ کا یہ وصف ہے کہ جب وہ کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے تو اس تخلیق سے ازیوں، کھربوں، تخلیقات و وجود میں آتی

ہیں۔ موجودہ دور میں بجلی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اللہ کی ایک ذیلی تخلیق بجلی (ELECTRICITY) ہے۔ اس بجلی کے ذریعے ہزاروں ایجادات منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور آئندہ آتی رہیں گی۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہمارے اوپر یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ اللہ نے وسائل اس لئے تخلیق کئے ہیں کہ نوع انسان ان

وسائل کے اندر مخفی قوتوں کو تلاش کر کے ان سے کام لے۔ اور جب قوم ان مخفی صلاحیتوں کی تلاش میں لگ جاتی ہے تو اس کے اوپر اللہ کی طرف سے نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اور جب وہ انکشافات کی روشنی میں تفکر کرتی ہے تو نئی نئی

ایجادات وجود میں آتی رہتی ہیں۔ قلم شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب دورخوں پر قائم ہیں۔ تخلیق کا ایک رخ ظاہر ہے اور

دوسرا رخ باطن ہے۔ پانی ایک سیال چیز ہے۔ یہ اس کا ظاہری رخ ہے۔ لیکن جب پانی کے اندر مخفی صلاحیتوں کو تلاش کیا جاتا ہے تو اس کی بے شمار صلاحیتیں ہمارے

سامنے آتی ہیں۔ اسی طرح لوہے کی مثال ہے۔ لوہا بظاہر ایک دھات ہے۔ لوہے کے ذرات کے اندر جب کوئی شخص محض قوتوں کو تلاش کر لیتا ہے تو نئی نئی اختراعات اور ایجادات اس کے ارادے اور اختیار سے بنتی رہتی ہیں۔

جب ہم کسی چیز کے اندر اللہ کی صفات تلاش کرتے ہیں تو ہمارے اوپر یہ متکشف ہوتا ہے کہ پوری کائنات موجود ہے۔ کائنات میں جو کچھ بنایا گیا ہے، یا

زمین میں جو کچھ موجود ہے، سب انسان کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔

صحیح تعریف | استغنا سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی روپے

پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ضروریات زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ استغنا سے

مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے، اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی خوشنودی ہو۔ اور اس طرز فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔ ہر بندہ خود

خوش رہے اور نوع انسانی کے لئے مصیبت اور آزار کا سبب نہ بنے۔ فروری  
ہے کہ بندہ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو کہ کائنات میں موجود ہر شے کا مالک  
اور ربست اللہ ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین بنائی، اللہ ہی ہے جس نے  
بیج بنایا، اللہ ہی ہے جس نے زمین کو اور بیج کو یہ وصف بخشا ہے کہ بیج درخت میں  
بتدلی ہو جائے اور زمین اس کو اپنی آغوش میں پروان چڑھا لے۔ پانی  
درختوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑے۔ ہوا روشنی بن کر درخت کے اندر کام  
کرنے والے رنگوں کی کمی کو پورا کرے۔ دھوپ درخت کے ناپختہ پھلوں کو پکانے  
کے لئے مسلسل ربط اور قاعدے کے ساتھ درخت سے ہم رشتہ رہے چاندنی  
پھلوں میں سٹھاس پیدا کرے۔ زمین کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ایسے درخت اگائے جو  
انسان کی ضروریات کو پورا کرے۔ درختوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ایسے پتے اور پل  
پیدا کریں کہ جن سے مخلوق کی ضروریات موسم کے لحاظ سے پوری ہوتی رہیں۔

اللہ یہ چاہتا ہے کہ کائنات کے اندر موجود ہر  
شے مسلسل حرکت میں رہے۔ جو بندے اللہ کے

## کائنات کی رکنیت

اس فرمان، اس خواہش اور اس وصف کو قبول کر کے جدوجہد کرتے ہیں، وہ  
کائنات کے رکن بن جاتے ہیں اور یہ رکنیت کائنات کو متحرک اور فعال رکھتی ہے۔  
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نوع انسانی کے افراد کو پیدائش کے وقت ذہنی  
طور پر پس ماندہ، پاگل یا مجنوں الحواس کر دے تو انسان کیا کر سکتا ہے اور اس  
سے کون سی ترقی ممکن ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ایسے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں جو  
ترقی اور ترقی سے واقف ہی نہیں ہوتے۔

ابھی ہم نے بتایا ہے کہ وہ لوگ جن کے اندر اللہ کی ذات کے ساتھ  
 وابستگی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے ہر عمل پر اللہ محیط ہے۔ جب کسی بندے  
 کے اندر یہ طرز فکر پوری طرح قائم ہو جاتی ہے تو روحانیت میں ایسے بندے  
 کا نام مستغنی ہے۔ جب کوئی بندہ مستغنی ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایسی طرز فکر قائم  
 ہو جاتی ہے کہ وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ میرا تعلق ایک ہستی کے ساتھ قائم  
 جو میری زندگی پر محیط ہے۔ بار بار جب یہ احساس ابھرتا ہے تو یہ احساس ایک  
 مظاہراتی شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہ یہ دیکھنے لگتا ہے کہ روشنی کا ایک دائرہ  
 ہے اور میں اس دائرے میں موجود ہوں۔ یہ دائرہ ایک روشنی ہے اور اس روشنی  
 میں بشمول انسان ساری کائنات بند ہے۔ اس بات کو تمام آسمانی کتابوں نے  
 بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آسمانی کتابیں بتاتی ہیں کہ آسمان اور زمین  
 جس بساط پر قائم ہے، وہ ایک روشنی ہے جو ہر لمحہ ہر آن کائنات کی ہر چیز  
 اللہ کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے۔ مستغنی آدمی کی نظر جو اس وقت  
 یاروشنی کے ہالے پر پھرتی ہے تو اس کی نظروں کے سامنے وہ فارمولے آجاتے  
 ہیں جن فارمولوں سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔

جنت دوزخ | جنت میں وہ لوگ رہیں گے جنہوں نے آسمانی کتابوں  
 کی تعلیمات کو اس طرح سمجھا جس طرح بیغمبروں نے  
 سمجھا ہے۔ جنت کے باقی وہ لوگ ہوں گے جن کے سروں پر اللہ نے اپنا  
 دستِ شفقت رکھ دیا ہے۔ جن لوگوں کے اوپر اللہ نے اپنا دستِ شفقت  
 رکھ دیا ہے، وہ اللہ کے دوست ہیں۔ چوں کہ اللہ خوف، غم، پریشانی سے



بے نیاز ہے اس لئے اللہ کے دوست میں اللہ کی صفت کا عکس نمایاں ہو جاتا ہے اور اسے نہ خوف ہوتا ہے، نہ غم ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے دوست نہیں ہیں، جنت کی فضا انہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ اگر کسی کے اندر خوف اور غم ہے تو وہ اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اور جو بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے، جنت اُسے رو کر دیتی ہے۔

عام حالات میں جب استغنا کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے

## توکل اور بھروسہ

اوپر کتنا توکل اور بھروسہ ہے۔ توکل اور بھروسہ کم و بیش ہر آدمی کی زندگی میں داخل ہے۔ لیکن جب ہم توکل اور بھروسے کی تعریف کرتے ہیں تو ہمیں جس سراسر کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری دوسری عبادات کی طرح توکل اور بھروسہ بھی لفظوں کا ایک خوش نما جال ہے۔ توکل اور بھروسے سے مراد یہ ہے کہ تندرہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دے۔ لیکن جب ہم فی عمل زندگی کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات محض لفظی اور نفسی نظر آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ ہر آدمی کی زندگی میں اس کا عمل دخل ہے۔ ہر آدمی کچھ اس طرح سوچتا ہے کہ ادارے کا مالک یا سٹیٹھ اگر مجھ سے ناراض ہو گیا تو ملازمت سے برخاست کر دیا جاؤں گا۔ یا میری ترقی نہیں ہوگی یا ترقی تیزی سے تیزی میں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب کسی کام کا نتیجہ اچھا مرتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نتیجہ ہماری عقل، ہماری ہمت اور ہماری فہم و فراست سے

مرتب ہوا ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندے کا اللہ کے اوپر توکل اور بھروسہ محض مفروضہ ہے۔ جس بندے کے اندر توکل اور بھروسہ نہیں ہوتا، اس کے اندر استغنا بھی نہیں ہوتا۔ توکل اور بھروسہ دراصل ایک خاص تعلق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان قائم ہے۔ اور جس بندے کا اللہ کے ساتھ یہ تعلق قائم ہو جاتا ہے، اس کے اندر سے دنیا کا لالچ نکل جاتا ہے۔ ایسا بندہ دوسرے تمام بندوں کی مدد و استعانت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ کی صفات یہ ہیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اللہ اپنی مخلوق سے کسی قسم کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اللہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ ہے۔ اللہ کا کوئی خاندان بھی نہیں ہے۔ ان صفات کی روشنی میں جب ہم مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو بیان لیتے ہیں کہ مخلوق ایک نہیں ہے۔ مخلوق ہمیشہ کثرت سے ہوتی ہے۔ مخلوق زندگی کے اعمال و حرکات پورے کرنے پر کسی کسی احتیاج کی پابند ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کسی کی اولاد ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کی کوئی اولاد ہو اور مخلوق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہو۔ اللہ کی بیان کردہ ان پانچ اہمیتوں میں سب "قلندرشور" تفکر سے کام لیا جاتا ہے تو یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ اللہ کی بیان کردہ پانچ صفات میں سے مخلوق ایک صفت میں اللہ کی ذات سے براہ راست تعلق قائم کر سکتی ہے۔ مخلوق کے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ کثرت سے بے نیاز ہو جائے۔ مخلوق اس بات پر بھی مجبور ہے کہ اس کی اولاد ہو یا وہ کسی کی اولاد ہو۔ مخلوق کا خاندان ہونا بھی ضروری ہے۔

اللہ کی پانچ صفات میں سے چار صفات میں مخلوق اپنا اختیار استعمال نہیں کر سکتی۔ صرف ایک حیثیت میں مخلوق اللہ کی صفت سے ہم رشتہ ہو سکتی ہے وہ صفت یہ ہے کہ تمام وسائل سے ذہن ہٹا کر اپنی ضروریات اور احتیاج کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ بندے کے اندر اگر مخلوق کے ساتھ احتیاجی عوامل کام کر رہے ہیں تو وہ توکل اور بھروسہ کے اعمال سے دور ہے۔ روحانیت کے راستے پر چلنے والے مسافر کو اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے اور زندگی کی تمام حرکات و سکنات جب شاگرد دروہست پیر و مرشد کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اس کی تمام ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک دودھ پیتے بچے کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں جب تک بچہ شور کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا، ماں باپ جو میں گھنٹے اس کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ گھر کا دروازہ نہ کھلے کہ بچہ باہر نکل جائے گا۔ سردی ہے تو بچے نے کپڑے کیوں اتار دیئے، سردی لگ جائے گی۔ کھانا وقت پر نہیں کھایا تو ماں باپ پریشان ہیں کہ بچے نے وقت پر کھانا کیوں نہیں کھایا۔ بچہ ضرورت سے زیادہ سو گیا تو اس بات کی فکر کہ کیوں زیادہ سو گیا۔ نیند کم آئی تو یہ پریشانی ہے کہ بچہ کم کیوں سویا۔ ہر شخص جو پیدا ہوا ہے اور جس کی اولاد ہے اور جس نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ بچے کی تمام بنیادی ضروریات کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں اور یہ کفالت اس طرح پوری کی جاتی ہے کہ جس کا تعلق بچے کے اپنے ذہن سے قطعاً نہیں ہوتا۔ بچوں کو شاگرد، مرید یا پھیلہ پیر و مرشد (مراشیخ) کی روحانی اولاد ہوتا ہے، اس لئے وہ مرید کی دینی، دنیاوی، روحانی

ہر طرح کی کفالت کرتا ہے۔ اور جیسے جیسے کفالت بڑھتی ہے اس پر دمر شہزاد کا ذہن مرید کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ جب شیخ مرید کی کفالت کرتا ہے تو مرید کا لاشعور یہ بات جان لیتا ہے کہ جو بندہ میری کفالت کر رہا ہے، اس کا کفیل بندہ ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس کا ذہن آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تمام ضروریات اور تمام احتیاجات اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہو جاتی ہیں۔

## قلندر شعور اسکول

قلندر شعور اسکول میں داخل ہونے سے پہلے میرے اندر دو برائیاں بہت زیادہ تھیں۔ اول

یہ کہ میرا ذہن کاروباری تھا۔ جب بھی میں کسی آدمی سے ملتا تھا، اس کی ذات سے کوئی نہ کوئی توقع قائم کر لیتا تھا۔ قلندر بابا اولیاء کی غلامی میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس طرز فکر پر ضرب پڑی۔ جس آدمی سے جو توقع وابستہ کی وہ پوری نہیں ہوتی۔ یہ عمل اتنی بار دہرایا گیا کہ دوستوں کی طرف سے مایوسی طاری ہو گئی اور ذہن میں بالآخر یہ بات آئی کہ کوئی دوست اسی وقت کام آسکتا ہے جب اللہ چاہے۔

اس کے بعد دوسرا تربیتی پروگرام شروع ہوا۔ روحانی آنکھ سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا کمر ہے

اس میں بہت ساری الماریاں ہیں۔ ان الماریوں میں سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی ہیں اڑتالیس گھنٹے یہ کیفیت قائم رہی کہ میں ایک کمرے میں بند ہوں اور کمرہ سونے کی اینٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ ساتھ ذہن روئی کھانے کی طرف مائل ہوتا تو میرے کانوں میں ایک ماورائی آواز گونجتی کہ سوتا کھاؤ۔ پانی پینے کی



خواہش ہوتی، پانی تو وہاں کہاں تھا۔ آواز آتی، سونے چاندی سے پیاس بچھاؤ اور جب میں اس کیفیت سے باہر آیا تو دس روپے کے نوٹ سے بھی طبیعت میں گندگی کا احساس ہوتا تھا اور اس کے بعد اندر کی طرف سے مسلسل ایسے ہزاروں واقعات رونما ہوئے کہ جن کا وجود میں آنا عقلاً ناممکن اور مشکل تھا۔ ایک دفعہ اس دفعہ، بیس دفعہ، سو دفعہ جب اس طرح کے تجربات ہوتے رہے تو ذہن میں یقین پیدا ہو گیا کہ جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ تبانا یہ مقصود ہے کہ روحانیت کوئی ایسا علم نہیں ہے جو صرف لفظوں پر قائم ہے۔ روحانیت عملی اور مشاہداتی علم ہے۔

پیدائش سے موت تک اور موت کے بعد کی زندگی میں اعراف، عشر و نشر، حساب کتاب، جنت و جہنم

## آلومینیک مشین

اور اللہ کی تخلیق کا دیدار سب کا سب یقین کے اوپر قائم ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے، وہ موجود ہے۔ اس کے اندر عقل و شعور کام کرتا ہے، وہ ایک حد تک با اختیار ہے اور بڑی حد میں اس کے اوپر غیر اختیاری کیفیات نازل ہوتی رہتی ہیں مثلاً کوئی آدمی اپنے ارادے اور اختیار سے اگر سانس لینا شروع کر دے تو وہ چند منٹ میں ہانپ جائے گا۔ روٹن (ROU-TINE) کی زندگی میں بھوک لگتی ہے، وہ کچھ کھا لیتا ہے۔ پیاس لگتی ہے، پانی پی لیتا ہے۔ یہی حال آدمی کے اندر اس مشین کا ہے جو مسلسل متواتر، ہر لمحہ اور ہر آن چل رہی ہے۔ اس مشین کے کل پرزے ذہن، اعضائے زینہ دل، پھیپھڑے، گریں، جگر اور آنٹوں کی حرکت مسلسل جاری ہے۔ چار ارب کی آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اندر نصب کی ہوئی مشین کو چلا پاوے

مشین بالکل غیر اختیاری طور پر چل رہی ہے۔ اس مشین میں جو ایندھن استعمال ہوتا ہے اس پر بھی انسان کی دسترس نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب مشین بند ہو جاتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت، علم کی بڑی سے بڑی ترقی اسے چلا نہیں سکتی۔ یہ مشین قدرتی نظام کے تحت بتدریج بھی بند ہو جاتی ہے اور اک دم بھی بند ہو جاتی ہے۔ بتدریج بند ہونے کا نام "بیماری" اور مشین کے ایک دم بند ہونے کو "ہارٹ فیلر" (HEART FAILURE) کہا جاتا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ بیماریوں کا علاج اختیاری ہے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چار ارب کی آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو بیمار ہوتا یا مرنا چاہتا ہے۔ اگر زندہ رہنا اختیاری ہوتا تو دنیا میں کوئی آدمی موت سے ہم آغوش نہ ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی کے بنیادی عوامل اور وہ تمام حرکات جن پر زندگی رواں دواں ہے، انسان کے لئے اختیاری نہیں ہے۔ اگر ہم بنیاد پر غور کریں تو زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب آدمی پیدا ہوتا ہے جبکہ پیدائش پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ لاکھوں سال کے طویل عرصے میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا ہو گیا ہو۔ پیدا ہونے والی ہر چیز، پیدا ہونے والا ہر سرور ایک وقت معینہ کے لئے اس دنیا میں آتا ہے اور جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو آدمی ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس دنیا میں ٹھہر نہیں سکتا، مر جاتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس میں زیادہ سوچ بچار اور تفکر کی ضرورت پیش آئے۔ ہر لمحہ، ہر آن، ہر منٹ، ہر سیکنڈ یہ صورت حال واقع ہو رہی ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ اپنی مرضی سے پیدا کرتا ہے اور مختلف صورتوں میں پیدا کرتا ہے۔ قد کاٹھ مختلف ہوتا ہے۔ یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ کوئی بنیادی طور پر کوتاہ قد آدمی سات فٹ کا بن گیا ہو۔ ایسی

بھی دنیا میں کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ سات فٹ کا آدمی گھٹ کر ڈھائی فٹ کا ہو گیا ہو۔

انسان، وقت اور کھلونا

جب ہم عقل و شعور کا موازنہ کرتے ہیں تو کوئی آدمی ہمیں زیادہ باصلاحیت نظر آتا ہے کوئی آدمی کم صلاحیت اور کوئی آدمی بالکل بے عقل ہوتا ہے۔ سائنس خلا (SPACE) میں چہل قدمی کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ بے عقل آدمی کو عقل مند بنا دیا گیا ہو۔

اللہ ہی اپنی مرضی سے عقل و شعور بخشتا ہے۔ آدمی کے اندر شکر و گہرائی عطا کرتا ہے۔ اسی لیے یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر اللہ فکر اور گہرائی عطا کرتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ذاتی وصف ہے لیکن جب وہ فکر اور گہرائی ان سے چھین لی جاتی ہے تو اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

زندگی کے تمام اجزاء ترقیبی ایک طاقت کے پابند ہیں۔ وہ طاقت جس طرح چاہے روک دیتی ہے اور جس طرح چاہے نہیں چلاتی ہے۔ قلندر شعور کے بانی قلندر بابا اولیاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ نادان ہیں، کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے۔ انسان اپنی مرضی اور منشا کے مطابق حالات میں رد و بدل کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ انسان ایک کھلونا ہے۔ حالات جس قسم کی چاہی اس کے اندر بھر دیتے ہیں اسی طرح یہ کو دنا، ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع حالات کے اوپر انسان کو دسترس حاصل ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا، کوئی آدمی بیمار نہ پڑتا، کوئی آدمی بوڑھا نہ ہوتا اور کوئی موت کے منہ میں نہ جاتا۔

تاریخ میں بتاتی ہے کہ بڑے بڑے لوگ جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا، موت کے پنجے نے ان کی گردن مروڑ کر رکھ دی۔ شداد، عمرو اور فرعون کی مثالیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کو ہم محض کہانی کہہ کر گزر جائیں۔ تاریخ ہر زمانے میں خود کو دہراتی ہے۔ البتہ رنگ روپ، نام، شکل و صورت بدل جاتے ہیں۔ اس زمانے میں شہنشاہ ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے جس نے ڈھائی ہزار سال کی سالگرہ منائی، موت کے پنجے نے اس کو اس وقت در بے پس اور ذلیل کر دیا کہ اس کے لئے اس کی سلطنت کی زمین بھی تنگ ہو گئی۔ اور وہ دیارِ عیسٰی میں مر گیا۔ کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوا۔ اگر حالات انسان کی گرفت میں ہیں تو اتنا بڑا بادشاہ غریب الدیار کیسے بن گیا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہر روز پیش آتے رہتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور ان سب باتوں کو اتفاق کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ جب کہ کائنات میں اتفاق یا حادثہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ کا ایک نظام ہے جو مربوط ہے۔ ہر نظام کی دوسرے نظام کے ساتھ وابستگی ہے۔ اس نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے، نہ کہیں حادثہ ہے، نہ کوئی مجبوری ہے۔

جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس نظام میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شے اللہ کے بتائے ہوئے نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر یقین کا ایک پیٹرن بن جاتا ہے۔ اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات پر حاکم اعلیٰ اللہ ہے۔



## آسمان سے نوٹ گرا

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ کبھی چیز کے اوپر یقین کا کامل ہو جانا اس وقت ممکن ہے جب وہ چیز یا عمل جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ کس طرح واقع ہوگی، بغیر کسی ارادے، اختیار اور وسائل کے پوری ہوتی رہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کمرے میں بیٹھا ہوا قلندر بابا اولیاء کی تصنیف "روح و قلم" کے صفحات کو دوبارہ لکھ رہا تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ لاہور سے کچھ مہمان آگئے۔ عام حالات میں چوں کہ تھوڑی دیر کے بعد کھانے کا وقت تھا، اس لئے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان مہمانوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب میں "حیرت" کے مقام میں تھا۔ اور نہ صرف یہ کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا، لباس بھی مختصر ہو کر ایک ٹنگی اور ایک بنیان رہ گیا تھا۔ یہ ایک الگ داستان ہے کہ اس لباس میں گرمی، سردی اور برسات کس طرح گزری جب اللہ چاہتا ہے تو بہت اور توفیق عطا کر دیتا ہے اور بڑی سے بڑی مشکلات اور پریشانیاں ہلکے جھپکتے گزر جاتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ پڑوس میں سے پانچ روپے ادھار مانگ لئے جائیں۔ اور ان روپوں سے خورد و نوش کا انتظام کیا جائے۔ پھر خیال آیا کہ پڑوسی نے اگر پانچ روپے دینے سے انکار کر دیا تو بڑی شرمندگی ہوگی پھر خیال آیا کہ جھونپڑی والے ہوٹل سے کھانا ادھار لے لیا جائے۔ طبیعت نے اس کو بھی پسند نہیں کیا۔ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اللہ چاہے گا تو کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ میں کمرے سے باہر آیا۔ جیسے ہی دروازے سے قدم باہر نکالا، چھت سے پانچ روپے کا ایک نوٹ گرا۔ نوٹ نیا اور صاف شفاف تھا کہ زمین پر گرنے کی آواز آئی

فرش پر جب نیا ٹوٹ پڑا ہوا دیکھا تو میرے اوپر دہشت طاری ہو گئی۔ لیکن یہ ایک ذہن میں ایک آواز گونجی یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے وہ ٹوٹ اٹھا لیا اور کھانے پینے کا باقاعدگی انتظام ہو گیا۔

۶۰ | ساٹھ روپے | عید کا چاند دیکھنے کے بعد بچوں کی عید کی سلسلے میں فکر لاحق ہوئی اور میں اپنے ایک دوست کے پاس

کچھ روپے ادھار لینے چلا گیا۔ دوست نے مجھ سے کہا کہ روپے تو میرے پاس موجود ہیں لیکن کسی کی امانت ہیں۔ طبیعت سے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ دوست کو امانت میں خیانت کرنے کا مجرم قرار دیا جائے۔ وہاں سے چلتا ہوا بازار میں آ گیا۔ وہاں مجھے ایک دوست ملے، بہت اچھی طرح پیش آئے اور انہوں نے پیش کش کی کہ آپ کو عید کے سلسلے میں کچھ روپے پیسے کی ضرورت ہو تو بلا تکلف لے لیں۔ لیکن میں نے ان کی اس پیش کش کو نا منظور کر دیا۔ انہوں نے کہا "صاحب! میں نے آپ سے کسی زمانے میں کچھ روپے ادھار لئے تھے، وہ میں ادا کرنا چاہتا ہوں" اور انہوں نے میری جیب میں ساٹھ روپے ڈال دیے۔ میں گھر چلا آیا اور ان ساٹھ روپوں سے عید کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔

اس واقعے کے اندر بہت زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ دوست سے میں تیس روپے ادھار لینے گیا تھا اور اللہ نے مجھے اتنے پیسے دلوا دیے جو میری ضرورت کے لئے کافی تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر تیس روپے بطور تسرین مل جاتے تو ضرورت پوری نہ ہوتی۔ میں نے صرف یہ دو واقعات گوش گزار کئے ہیں۔ اس قسم کے بے شمار واقعات میری زندگی میں پیش آتے رہے۔

استغنا کے ضمن میں غوث علی شاہ قلندر پانی پتی  
اپنی تصنیف "تذکرہ غوثیہ" میں ایک دل چسپ

## گاؤں میں مُرنع پلاؤ

واقعہ لکھتے ہیں کہ —

میں ایک دیہات کی مسجد میں امام تھا۔ مسجد میں ایک فقیر آکر رُک گیا۔ مغرب  
کے بعد میں نے اُسے کھانے کے لئے بلایا تو اس فقیر نے پوچھا کھانے میں کیا ہے؟ اتفاق  
سے اس روز دال روٹی تھی۔ فقیر نے یہ بات سن کر کہ دال روٹی ہے کوئی خاص  
توجہ نہیں دی۔ اور خاموش ہو گیا۔ میں نے دوبارہ کھانے کے لئے اصرار کیا تو بولا کہ  
سیرا اللہ سے یہ معاہدہ ہے کہ اگر وہ مجھے مُرنع پلاؤ دیتا ہے تو کھاتا ہوں ورنہ نہیں  
کھاتا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ نفسیاتی مرض ہے اس کے لئے کھانا بچا کر رکھ دیا۔ برسات  
کا موسم تھا۔ آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنے حجرے میں چلا گیا۔ اور دروازہ  
بند کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ موسلا دھار بارش ہونے  
لگی۔ اور اس موسلا دھار بارش میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اٹھ کر میں نے  
دروازہ کھولا تو ایک صاحب سر پر پوری اورٹھے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور  
ان صاحب نے ایک تھال مجھے پکڑا دیا۔ اور کہا "ملا جی! ہم نے سنت مانی تھی۔ یہ  
مُرنع پلاؤ ہے۔ برتن صبح آجائیں گے۔ میں یہ مُرنع پلاؤ لے کر فقیر کے پاس گیا اور تھال اسے  
پکڑا دیا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

ایک رات کا ذکر ہے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے  
رات کا وقت تھا۔ قلندر بابا اولیاء رحمہ نے ارشاد

## مچھلی مل جائے گی؟

فرمایا "مچھلی مل جائے گی؟" میں نے عرض کیا حضور! ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔ میں کوشش

کرتا ہوں۔ کسی ہوٹل میں ضرور مل جائے گی۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔ ہوٹل کی پکی ہوئی مچھلی میں نہیں کھانا۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ اس وقت کچی مچھلی کہاں سے ملے گی۔ اس زمانے میں ناظم آباد کی آبادی بہت ہی کم تھی۔ بہر حال، میں نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا کہ مچھلی ضرور تلاش کر لی جائے۔ یہ سوچ کر میں نے ٹوکری اٹھائی تو قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ اب رہنے دو، صبح دیکھا جائے گا۔ ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ باہر جا کر دیکھا تو ایک صاحب ہاتھ میں ایک مچھلی لے کھڑے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ میں ٹھٹھہ سے آ رہا ہوں اور یہ مچھلی قلندر بابا کی نذر ہے۔ یہ کہتے ہی وہ صاحب رخصت ہو گئے۔

بے شمار واقعات پیش آنے کے نتیجے میں یہ یقین مستحکم اور پختہ ہو گیا کہ ضروریات کا واحد کفیل اللہ ہے۔ اللہ

## پرندوں کا رزق

نے وعدہ کیا ہے کہ میں رازق ہوں۔ وہ بہر حال ہمیں رزق پہنچاتا ہے اور اللہ کے وہ کارندے جو تکوین کے شعبے سے وابستہ ہیں اور جن کے بارے میں اللہ نے فی الارض خلیفہ کہا ہے اس بات پر کار بند ہیں کہ وہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل فراہم کر لیں۔ بہت عجیب بات یہ ہے کہ اللہ اپنی مہر سے پیدا کرتا ہے، جب تک وہ چاہتا ہے آدمی زندہ رہتا ہے اور جب وہ نہیں چاہتا تو آدمی ایک سیکنڈ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اپنے اختیار سے زندہ ہوں۔ معاشی سلسلہ میرے اختیار سے قائم ہے۔

کسان جب کھیتی کھاتے تو بھٹاڑو سے ایک ایک دانہ سمیٹ لیتا ہے اور جو دانے خراب ہوتے ہیں یا گھن کھائے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی اکٹھا کر کے جانوروں



کے آگے ڈال دیتا ہے۔ جس زمین پر گندم بالوں سے علیحدہ کر کے صاف کیا جاتا ہے، وہاں اگر آپ تلاش کریں تو مشکل سے چند دانے نظر آئیں گے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق پرندے اربوں کھربوں کی تعداد میں دانہ چگتے ہیں تو یہ معجزہ حل نہیں ہوتا کہ کسان تو ایک دانہ نہیں چھوڑتا، ان پرندوں کے لئے کوئی مخصوص نشست نہیں ہوتی تو پھر یہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں؟

قانون یہ ہے کہ پرندوں کا غول جب زمین پر اس ارادے سے اترتا ہے کہ ہمیں دانہ چکنا ہے تو اس سے پہلے کہ ان کے نیچے زمین پر لگیں، قدرت وہاں دانہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر پرندوں کی غذا کا دار و مدار کسان پر ہوتا تو سارے پرندے بھوک سے مر جاتے۔

**درخت اور گھاس** | چوپائے بہر حال انسانوں سے بہت بڑی تعداد میں زمین پر موجود ہیں۔ بظاہر وہ زمین پر اُگی ہوئی گھاس کھاتے ہیں، درختوں کے پتے چرتے ہیں لیکن جس مقدار میں گھاس اور درختوں کے پتے کھاتے ہیں، زمین پر کوئی درخت نہیں رہنا چاہیے۔ قدرت ان کی غذائی کفالت پوری کرنے کے لئے اپنی بڑی مقدار میں درخت اور گھاس پیدا کرتی ہے کہ گھاس اور پتوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ ان درختوں اور گھاس کا تذکرہ ہے جس میں انسان کا کوئی تصرف نہیں ہے۔ قدرت اپنی مرضی سے انہیں پیدا کرتی ہے اور اپنی مرضی سے سرسبز و شاداب رکھتی ہے۔

زندگی کی بنیادی ضروریات اللہ بفرمایا جو جہد و محنت کے تقسیم کرتا ہے۔ بنیادی ضروریات میں سب سے اہم ہوا، پانی، دھوپ، چاند کی روشنی شامل ہیں۔ اگر

انسان اپنی ضروریات کا خود کفیل ہے تو اس کے پاس ایسی کون سی طاقت ہے، ایسا کون سا علم ہے کہ وہ دھوپ حاصل کر سکے۔ زمین کے اندر اگر پانی کے سوتے خشک ہو جائیں تو انسان کے پاس ایسا کون سا علم یا طاقت ہے کہ وہ زمین کے اندر پانی کی بہریں جاری کر دے۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ ہوا اگر بند ہو جائے، اللہ کا وہ نطفہ ام جو ہوا کو تخلیق کرتا ہے اور ہوا کو گردش میں رکھتا ہے، اگر معطل ہو جائے تو زمین پر موجود اربوں لکھڑوں مخلوق ایک سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اللہ کی رحمت اور وسائل کی تقسیم کے سلسلے میں قلندر غوث علی شاہ سے ایک واقعہ سنئے۔

**مزدور برداری** | ایک شہر میں کساد بازاری اس حد تک پہنچی کہ وہاں کے بازار

دیران ہو گئے۔ جب کاروبار چلنے کی صورت سامنے نہ آئی

تو لوگوں نے اس شہر سے نقل مکانی کرنا شروع کر دیا۔ اس کساد بازاری اور نقل مکانی کی وجہ سے شہر میں رہنے والے غریب مزدور نہایت پریشان اور بد حال ہونے لگے۔

ابھی اس مصیبت کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تھا اور کوئی بات ایسی نہیں بن رہی تھی کہ بازار کی ویرانی ختم ہو کر دوبارہ گہما گہما پیدا ہو جائے کہ ایک روز دوسو داگر بازار میں آئے۔ اور ان دونوں نے خریداری شروع کر دی۔ حد یہ ہے کہ سوئی سے

ہاتھی تک ہر چیز کے دام لگ گئے۔ اس خریداری کے نتیجے میں گھوڑے، خیر، بیل گاڑیاں، مزدور ہر شخص متحرک ہو گیا اور ان دونوں سو داگروں نے اعلان کیا

کہ ہم پورے ایک ہفتے تک خریداری کریں گے۔ اور اپنی ضروریات کی فہرست کو اتنا طویل کر دیا کہ اس شہر کے سو داگروں نے رات دن کی کوششوں کے بعد دوسرے شہروں سے سامان کی فہرست بھی کا انتظام اور بندوبست کیا۔ ایک ہفتے میں ایسا

ماحول پیدا ہو گیا کہ شہر میں ہماہمی اور گہما گہمی ہو گئی۔ لوگ خوش حال ہو گئے۔ ان کے  
 چہروں پر تازگی آگئی۔ جو لوگ نقل مکانی کر گئے تھے وہ واپس آگئے اور جن لوگوں نے  
 نقل مکانی کا ارادہ کر لیا تھا، انہوں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ مزدور مالا مال ہو گئے۔  
 افسطراب ایسے چینی، افلاس اور بھوک کا دور دورہ ختم ہو گیا۔ ایک ہفتے کی خریداری  
 کے بعد سامان اٹھانے اور جہاز پر چڑھانے کا سلسلہ پیش آیا۔ لوڈنگ، ان  
 لوڈنگ کے سلسلے میں پوری مزدور برادری مصروف کار ہو گئی۔ اور اس طرح اجڑا ہوا  
 شہر دوبارہ بس گیا۔ ان دونوں سوداگروں کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے  
 جو محنت مزدوری کے سلسلے میں سوداگروں کے ساتھ لگ گئے تھے۔ جب خریدار ہوا  
 سامان جہاز میں رکھ دیا گیا اور سوداگروں نے اس بوڑھے مزدور کو رخصت کیا تو بوڑھے  
 مزدور نے کہا میں تنہا ہوں۔ میں آپ لوگوں کی خدمت کرتا رہوں گا اور اس طرح  
 میری زندگی گزر جائے گی۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ سوداگر اور مزدور جہاز میں  
 سوار ہو گئے۔ جہاز چلتے چلتے جب سمندر کے بیچ میں پہنچا تو ان سوداگروں نے اس  
 جہاز کو سمندر میں ڈبو دیا اور بوڑھے مزدور سے کہا کہ ہم دونوں فرشتے ہیں۔ چوں کہ  
 ایک آبادی کا روبرو ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہی تھی، اس لئے اللہ نے ہمیں حکم  
 دیا کہ یہ بستی آباد رہنی چاہیے تاکہ مخلوق کو رزق وسراہم ہوتا رہے۔ یہ کہہ کر دونوں  
 فرشتے غائب ہو گئے۔

# آدم و حوا کی تخلیق

آسمانی کتابوں کو پڑھنے اور ان کتابوں کی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ آدم کو ایک جان سے تخلیق کیا گیا ہے۔ تخلیق کی اس بنیاد کو نفس، جان اور نقطہ واحدہ کہا گیا ہے۔

عام حالات میں جب ہم تخلیق کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر نوع کا ایک آدم ہے۔ اور یہ ساری نوع آدم و حوا سے وجود میں آئی ہے۔ جس طرح ایک آدمی کی نوع کا تعلق آدم و حوا سے ہے اسی طرح بکری کی نوع کا تعلق بکرے اور بکری سے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کائنات میں ہر نوعی پروگرام اسی فارمولا پر قائم ہے۔ یعنی کسی وقت آدم و حوا کا وجود تخلیق ہوا اور اس کی نسل چل پڑی۔ بیل، بکری، بھیڑ، کبوتر، بلی، کتا اور نئے نئے پرندوں کی تخلیق بھی ان کے آدم و حوا سے وجود میں آئی۔ جس طرح باوا آدم سے آدمی بنا اسی طرح باوا طوطے سے طوطا بنا۔ باوا بکرے سے بکرے کی نسل چلی۔ اور باوا کبوتر سے کبوتر کی نسل وجود میں آئی۔ یہ تذکرہ ہے اس تخلیق کا جس تخلیق کو ہم گوشت پوست کا نام دیتے ہیں۔ پیدا ہونے والا ہر فرد وہ آدم ہو، بھیڑ ہو، بکری ہو، بندر ہو، گوشت پوست کے عارضی جسم سے مرکب ہے کچھ عرصہ وہ نرم و نازک رہتا ہے۔ پھر اس کے اوپر جو لائیت طاری رہتی ہے۔ پھر اعضا اور اعضا خشک رہنے کے بعد یہ جسمانی نظام ختم ہو جاتا ہے۔ ان ہی کیفیات کو زندگی



اور موت کہا جاتا ہے لیکن ہمیں ہر لمحہ اور ہر آن یہ علم بھی منتقل ہوتا رہتا ہے کہ جسمانی وجود جس طرح ایک عارضی شے ہے اسی طرح وہ وجود جس کے اوپر جسمانی نظام کی بلڈنگ کھڑی ہوتی ہے، مستقل ہے۔ جب تک مستقل وجود جسمانی ڈھانچے کو سنبھالے رکھتا ہے، جسمانی بلڈنگ خوش نما خوب صورت اور متحرک رہتی ہے اور جب یہ ان دیکھا وجود اس عارضی وجود سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتا ہے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس ان دیکھے وجود کو اوتار اور پیپسروں نے جان، نفس، نقطہ اور روح کے نام سے متعارف کرایا ہے۔

قلندریہ سلسلے سے جب روحانی دنیا کے مسافر کو قلند شعور کی نسبت حاصل ہوتی ہے تو اس کے اندر کی آنکھ یہ دیکھ لیتی ہے کہ جان، نفس، نقطہ یا روح تخلیق کرنے والی ہستی کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ تخلیق کرنے والی ہستی کی تخلیق کا ایک وصف ہے اور تخلیق کا وصف قدرت اور رحمت کے ساتھ اس جان، نفس یا نقطہ کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔

اہرول کا نظام | کائنات میں ہر موجود شے لہروں کے تانے بانے پر قائم ہے۔ اور یہ لہریں نور کے اوپر قائم ہیں۔ اللہ

کی زبان میں زمین آسمان اللہ کا نور ہے۔ تخلیق کی ایک حیثیت نورانی ہے اور تخلیق کی دوسری حیثیت روشنی، نفس، جان یا نقطہ ہے۔ ان لہروں یا تخلیق کے اندر نورانی وصف کو تلاش کرنے کے لئے اللہ کے دستوں نے انسانی شعور کی مناسبت سے قاعدے بنائے ہیں۔ اور اس ایک نقطے کو چھ پر تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک مبتدی سا لک آسانی کے ساتھ سمجھ سکے۔ اس نقطے کے چھ حصوں کے نام روحانیت میں

لطائفِ شتیبا چھ لطفے ہیں۔

پہلا لطفہ جس کو اخفی کا نام دیا گیا ہے ہر انسان کے اندر نقطہ واحد ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جو اللہ کا گھر ہے، جس میں اللہ بستا ہے۔ جس نقطہ کے اوپر براہ راست اللہ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے اندر داخل ہو جانے سے انسان کائنات کے اندر جاری و ساری نظام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کائنات کے اوپر اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد اللہ کا یہ ارشاد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے آسمانوں میں، زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب مسخر کر دیا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تمہارا محکوم ہے۔ تم اس کے حاکم ہو۔ اور اس ارشاد کی تفصیل یہ سامنے آتی ہے کہ ہم نے تمہارے لئے سورج کو مسخر کر دیا، چاند کو مسخر کر دیا، ستاروں کو مسخر کر دیا۔ مسخر ہونے سے یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ چاند اور سورج کو اللہ نے مخلوق کی خدمت کے لئے ایک ڈیوٹی تفویض کی ہے۔ یہ بات ان کے قرآن میں شامل ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت بجالائیں۔ چاند ہو، سورج ہو، ستارے ہوں، ہوا ہو، پانی ہو، گیس ہو، درخت ہوں، حیوانات ہوں، نباتات ہوں، جمادات ہوں سب انسان کی خدمت گزار میں مصروف ہیں۔ یہ مسخر ہونا "قلندرشعور" کی دانست میں مسخر ہونا نہیں ہے۔

اللہ نے ایک قانون بنا دیا ہے۔ اس قانون پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ ہر چیز انسان کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔ مسخر ہونا یا کسی چیز پر حاکمیت قائم ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس چیز پر تصرف کیا جاسکے حالانکہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ

نوع انسانی چاند اور سورج کے تصرف میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اگر چاند اور سورج اپنا تصرف ختم کر سکتے تو زمین کا وجود قائم نہیں رہتا۔ مثلاً یہ کہ ہم دھوپ کے محتاج ہیں۔ غنداؤں میں شیرینی پیدا ہونے کے لئے ہم اس بات کے محتاج ہیں کہ چاند ہماری خدمت کرے۔ لیکن ہمیں چاند اور سورج پر کوئی حاکمیت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔

**رنگوں کی دنیا** ہم جب زمین کے اوپر موجود نئی تخلیقات پر تھن کر کرتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے

کہ تخلیق کا عمل ظاہری نظروں سے دیکھا جائے تو ایک نظر آتا ہے۔ مثلاً ہم کسی درخت کی پیدائش کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہمیں زمین کے اوپر موجود تمام درختوں کی پیدائش کا لامتناہی سلسلہ ایک ہی طریقے پر قائم نظر آتا ہے۔ درخت چھوٹا ہو، بڑا ہو، تناور ہو، ٹیلن کی شکل میں ہو یا بڑی بوٹیوں کی صورت میں۔ پیدائش کا سلسلہ یہ ہے کہ زمین کے اندر بیج بویا جاتا ہے۔ زمین اپنی لکڑی یا پیٹ میں اس بیج کو نشوونما دیتی ہے اور بیج کی نشوونما مکمل ہونے کے بعد درخت وجود میں آجاتا ہے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ پیدائش کا طریقہ ایک ہے، ہر درخت اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے اور درخت کی یہ انفرادیت نامکمل نہیں ہوتی۔ مثلاً آم اور بادام کے درخت کو دیکھا جائے تو درخت کی حیثیت سے وہ دونوں ایک ہیں۔ دونوں کی پیدائش کا طریقہ بھی ایک ہے، دونوں کا قد و قامت بھی ایک جیسا ہے لیکن آم کے درخت کا پھل اور بادام کے درخت کا پھل بالکل الگ الگ شکل و صورت میں موجود ہے۔ اسی طرح جب ہم پھولوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھول کا ہر درخت اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا

ہے اور اس انفرادی حیثیت میں اس کے پتے بھی الگ ہوتے ہیں، اس کی شاخیں بھی الگ ہوتی ہیں۔ اور اس کے اندر پھول بھی الگ ہوتا ہے۔ پھولوں کی بے شمار قسموں پر حجب نظر جاتی ہے تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ہر پھول میں الگ خوشبو ہے۔ پھولوں میں ایسے گلینڈز ہوتے ہیں جن سے مختلف قسم کا خوشبودار تیل نکل کر ہوا میں اڑتا رہتا ہے اور اس طرح فضا میں خوشبو پھیلی رہتی ہے۔ پھولوں کے گلینڈز میں خوشبودار تیل کا ذخیرہ سونگھنے سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ پھول اگر رنگین ہے تو ہر درخت کے پھول الگ الگ رنگ لئے ہوتے ہیں۔ رنگ سازی کا عالم یہ ہے کہ کوئی پھول اس قدر سُرخ ہوتا ہے کہ اس کے اوپر نظر جم جاتی ہے۔ پھولوں کے رنگوں میں کہیں سفید، کہیں سبز اور کہیں اُردا رنگ ہوتا ہے۔ بے شمار رنگ زمین میں سے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ کی شان بھی کسی عجیب شان ہے کہ زمین ایک ہے، ہوا ایک ہے، پانی ایک ہے، پیدائش کا طریقہ بھی ایک ہے لیکن ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور دوسری بات جو بہت توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والی شے میں کسی نہ کسی رنگ کا غلبہ ضرور ہوتا ہے۔ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو بے رنگ ہو۔ یہ رنگ اور بے رنگ دراصل خالق اور مخلوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ خالق کو مخلوق سے جو چیز الگ اور ممتاز کرتی ہے وہ رنگ ہے۔ انسان کے اندر حجبِ تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے یا اللہ اپنے فضل و کرم سے تخلیقی صلاحیتوں کا علم بیدار کر دیتا ہے تو بندے کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ کوئی بے رنگ خیال جب رنگیں ہو جاتا ہے تو تخلیقِ عمل میں آجاتی ہے۔ اللہ بحیثیت خالق کے ورثے بے رنگ ہے۔



اللہ نے جب کائنات کو بنانے کا ارادہ فرمایا تو جو کچھ اللہ کے ذہن میں موجود تھا اس کا ارادہ کیا اور کہا "ہو جا" اور وہ چسپتر ہو گئی۔ یعنی ورائے بے رنگ سے نزول کر کے اللہ کے خیال نے ایک رنگ اختیار کیا۔ جس کو سمجھنے کے لئے روحانیت نے بے رنگی کا نام دیا ہے یعنی ایسا رنگ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس بے رنگی میں حرکت پیدا ہوئی تو رنگین وجود تخلیق میں آگیا۔ اور یہی وجود مختلف صورتوں میں اور مختلف رنگوں میں اور مختلف صلاحیتوں کے ساتھ مجسم اور متشکل ہو گیا۔

کائنات کی تخلیق میں بنیادی عنصر یا بنیادی مسالہ رنگ ہے۔ اور رنگوں کا امتزاج ہی تخلیقی فارمولے میں۔ رنگوں کی مناسبت سے یا ان رنگوں کی کمی بیشی سے مختلف تخلیقات عمل میں آتی ہیں۔ انسان جو مخلوقات میں اللہ کی سب سے اچھی تخلیق ہے اور جس کو اللہ نے تخلیقی حیثیت میں اپنا نائب قرار دیا ہے، اس کی اصلیت بھی رنگوں سے مرکب ہے۔ اس تخلیق کو سمجھنے کے لئے روحانیت نے چھ دائرے متعین کئے ہیں۔ اور ہر دائرہ الگ الگ رنگوں سے مرکب ہے۔ روحانیت میں ان دائروں کو جب روشنیوں سے معمور کیا جاتا ہے تو "لطائف کارنگین ہونا" کہتے ہیں۔

**روشنیوں کے چھ مقمے** | انسان گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام نہیں ہے۔ انسان کے اوپر ایک اور روشنیوں کا بنا

ہوا جسم ہوتا ہے جس کو قلندر بابا اویار نے نسیم (AURA) کا نام دیا ہے۔ نسیم یا اورا چھ نقطوں یا چھ دائروں سے بنا ہوا ہے۔ چھ دائروں سے تین روحیں وجود میں آتی ہیں۔ ان چھ دائروں کا نام اخفی، غفی، سر، روح، قلب اور نفس ہے اور تین روحوں کا نام روح حیوانی، روح انسانی اور روح اعظم ہے۔

چھ نقطوں، چھ دائروں یا روشنیوں کے قہقہوں کو روحانیت میں لطیفے یا جزیرے کہا جاتا ہے۔ ہر دو لطیفوں سے ایک رُوح بنتی ہے۔

لطیفہ نفسی اور لطیفہ قلبی سے رُوح حیوانی بنتی ہے۔

لطیفہ سُرخی اور لطیفہ روحی سے رُوح انسانی وجود میں آتی ہے۔

لطیفہ مخفی اور لطیفہ اخفی سے رُوح اعظم کی تشکیل ہوتی ہے۔

لطیفہ نفسی اور لطیفہ قلبی سے بننے والی حیوانی رُوح پر ہمیشہ زرد رنگ

غالب رہتا ہے۔ لطیفہ روحی اور لطیفہ سُرخی سے انسانی رُوح پر سبز رنگ کا غلبہ ہوتا

ہے اور لطیفہ مخفی اور لطیفہ اخفی سے مرکب رُوح اعظم پر نیلا رنگ غالب ہوتا ہے

جس قدر زرد رنگ کا غلبہ زیادہ ہو جائے گا اسی مناسبت سے آدمی کے اوپر

دنیاوی خواہش کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ روحانیت میں مراقبہ اس لئے کرایا جاتا ہے کہ

آدمی کے اوپر سے زرد رنگ کی گرفت کم ہو جائے۔ زرد رنگ کی گرفت کم ہونے

سے آدمی کا ذہن سبز روشنیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ سبز روشنیوں اُسے

سکون دیتی ہیں۔ اور ذہنی ارتکاز میں معادن ثابت ہوتی ہیں۔ جب سبز روشنیوں پر

ذہنی ارتکاز ہو جاتا ہے تو ذہن تیلی روشنیوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

نرک دنیا کیا ہے | اللہ نے انسانی ذہن کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ کسی جگہ ٹھہرتا نہیں ہے۔ بے رنگی سے نکل کر وہ ورثے

بے رنگ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہی اللہ کی ذات کا عرفان ہے۔ قلندر شعور ہماری

رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اوپر ایسی کیفیات اور

واردات محیط کر سکتا ہے جو اسے دنیاوی خیالات سے آزاد کر دیں۔ دنیاوی خیالات

سے آزاد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑ دے، کپڑے نہ پہنے، گھر میں نہ رہے، شادی نہ کرے۔ دنیاوی خیالات سے آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں ذہن کا اہتمام نہ ہو۔ دنیاوی معاملات کو روٹین کے طور پر پورا کرے۔ مثلاً ایک آدمی کی ضرورت ہے کہ وہ پانی پئے۔ اُسے جب پیاس لگتی ہے وہ پانی پی لیتا ہے۔ لیکن وہ تمام دن اپنے اوپر پیاس کو مسلط نہیں رکھتا۔ پانی کا تقاضا پیدا ہوا، پانی پیا اور بھول گیا۔ یہی صورت حال ہونے اور جاننے کی ہے۔

جب کوئی بندہ کسی ایک، دو، دس، بیس، پچاس خیالات میں اس طرح گھر جاتا ہے کہ اس کا ذہن معمول (ROUTINE) سے ہٹ جائے تو وہ بے رنگی سے دور ہو کر رنگوں کی دنیا میں مصروف ہو جاتا ہے اور جب کوئی بندہ دنیاوی ضروریات کے تمام اعمال و افعال کو روٹین کے طور پر انجام دیتا ہے تو وہ رنگوں کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی بے رنگ دنیا کی طرف سفر کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شاگرد نے حضرت جنید بغدادیؒ سے سوال کیا کہ ترک دنیا کیا ہے؟ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا: "دنیا میں رہتے ہوئے آدمی کو دنیا نظر نہ آنا۔"  
شاگرد نے پوچھا: "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

حضرت جنیدؒ نے مسکرا کر جواب دیا: "میں جب تمہاری عمر کا تھا، میں نے اپنے پیر و مرشد سے یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے جواب دیا۔"

آؤ بغداد کے سب سے مشہور بازار کی سیر کریں۔ چنانچہ میں اور شیخ بغداد کے مصروف ترین بازار کی طرف نکل گئے۔ جیسے ہمیں ہم بازار کے صدر دروازے میں داخل ہوئے میں نے دیکھا کہ میں اور میرے شیخ ایک دیرانے میں کھڑے ہیں۔ حد نظر تک

ریت کے ٹیلوں اور بگولوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے حیرت سے کہا: "شیخ! یہاں بازار تو نظر نہیں آ رہا۔"

شیخ نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "جنید! یہی ترک دنیا ہے کہ آدمی کو دنیا نظر نہ آئے۔ اُون کے بباد سے اوڑھ لیتا، جو کی روٹی کھا لیتا اور عالی شان مکانوں سے منہ موڑ کر خشکوں میں نکل جانا ترک دنیا نہیں ہے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ لذیذ ترین اشیاء بھی کھاؤ تو جو کی روٹی کا ذائقہ ملے۔ اطمینان و دیبا اور حریر بھی پہنو تو ٹاٹ کا لباس محسوس ہو۔ گنجان بازاروں اور خوبصورت محلات کے درمیان سے بھی گزرو تو بیابان نظر آئے۔ لیکن جنید! یہ سب باتیں پڑھنے سے اور دوسروں کو سمجھانے سے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئیں گی جب تک تم ترک دنیا کے تجربے سے نہ گزرو۔ آؤ، اب گھر چلتے ہیں۔" پھر جیسے ہی ہم اس ہولناک ویرانے سے گھر کے لئے روانہ ہوئے ہم بغداد کے اس بارونق بازار کے صدر دروازے پر کھڑے تھے۔

## زمان و مکان

قلندر شعور میں بتاتا ہے کہ ذہن کو دنیاوی علاقے اور دنیاوی معاملات سے یکسو کرنے کے لئے ایسی مشقوں

کی ضرورت ہوتی ہے جن مشقوں سے ذہن دنیا کو عارضی طور پر چھوڑ دے اور ان مشقوں سے جب ذہن یکسو ہو جاتا ہے یعنی ذہن میں سے دنیا کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ دنیاوی معاملات روٹین کے طور پر پورے ہوتے ہیں تو آدمی کے اندر اس کی روحانی صلاحیتیں بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب ان بیدار صلاحیتوں میں ذہن انسانی بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے تو شعور کے اوپر سے زرد رنگ کا غلیہ ٹوٹنے لگتا ہے۔ جس کے نتیجے میں زمان و مکان کی حد بندیاں



اس طرح ختم ہو جاتی ہیں کہ آدمی بیدار ہوتے ہوئے بھی ایسے عمل کرنے لگتا ہے جس طرح کے عمل یا جس طرح کے کام وہ خواب کی زندگی میں کرتا ہے۔ اسے مراقبہ کے اندر آنکھیں بند کئے ہوئے پوری طرح یہ احساس ہوتا ہے کہ میں جسمانی طور پر موجود ہوں، جسمانی طور پر زمین پر بیٹھا ہوا ہوں اور اس کے باوجود میں چل پھر رہا ہوں اڑ رہا ہوں اور فاصلوں کی نفی کر کے دور دراز چھینروں کو دیکھ رہا ہوں۔

خواب اور مراقبہ میں فرق یہ ہے کہ خواب میں  
**خواب اور مراقبہ**  
 دماغ یا شعور جسمانی اعضا کو نظر انداز کرتا ہے

اور مراقبہ میں شعور جسمانی اعضا کو نظر انداز نہیں کرتا۔ مراقبہ کرنے والا بندہ جس کی آنکھ کھلی ہے (آنکھ سے مراد اندر کی آنکھ ہے یا روح حیوانی کی آنکھ ہے) تو ٹائم اسپیس یا زمان و مکان کو حذف کرتے ہوئے جسمانی کیفیات سے آشنا رہتا ہے۔ مراقبہ کو ہم خواب کا پہلا درجہ کہتے ہیں۔ یعنی ایسا خواب جس میں آدمی کے اوپر نیند غالب نہ ہو اور وہ مکمل طور پر بیدار رہے۔

مراقبہ کی قسمیں  
 ماورائی دنیا کو دیکھنے کا عمل ابتدائی درجوں میں چار  
 طریقوں پر قائم ہے۔

روح حیوانی دو نقطوں سے مرکب ہے۔ ایک نقطے کا نام نفس ہے اور دوسرے نقطے کا نام قلب ہے۔ شعور انسانی جب تک نفس کے اندر دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے یا دنیا کو دیکھتا ہے تو وہ زمان و مکان میں پابند رہتے ہوئے بیداری میں دیکھتا ہے۔ اس سے ترقی کر کے آدمی جب روح حیوانی سے اوپر قلب میں دیکھتا ہے تو ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹنے لگتی ہے اور مادی دنیا اور غیب کی دنیا ایک ساتھ اس کی

نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ لطیفہ نفسی اور لطیفہ قلبی کی ان دو سیرطھیوں سے گزر کر جب آدمی تیسری سیرطھی پر قدم رکھتا ہے یعنی لطیفہ روحی میں دیکھتا ہے تو یہ دیکھنا مراقبے میں دیکھنا ہے۔

مراقبے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مراقبہ کی ایک قسم یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اُسے ذہنی یکسوئی نصیب ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز اس کی نظروں کے سامنے آتی ہے۔ لیکن بندہ دیکھی ہوئی چیز میں معانی اور مفہوم نہیں پہناسکتا۔ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ جس وقت کوئی چیز نظر آتی ہے، اس وقت شعور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں اور وہ جب اس کیفیت سے نکلتا ہے تو اس کے ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی چیز دیکھی ہے۔ کیا دیکھی ہے، کس طرح دیکھی ہے یہ بات اس کے حافظے پر کسی طرح نقش نہیں ہوتی۔ اس کو روحانیت میں "بیداری میں خواب دیکھنا" کہتے ہیں۔ اور بیداری میں خواب دیکھنے کا اصطلاحی نام "غنودہ" ہے۔ اس کے بعد دوسرا ایسے سبب یہ ہے کہ آدمی نے مراقبہ میں ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے کوئی چیز دیکھی۔ اس کو ایک بھسکا سالگا اور یہ بات ذہن میں آتی کہ میرا وجود موجود ہے۔ وجود کی موجودگی کے ساتھ ساتھ دیکھی ہوئی چیز کچھ یاد رہی، کچھ بھول میں پڑ گئی۔ اس کیفیت کو روحانی اصطلاح میں "ورود" کہا جاتا ہے۔ بیداری کے حواس میں اس طرح کسی چیز کا دیکھنا کہ وہ یاد بھی رہے اور اس کے معانی اور مفہوم بھی ذہن نشین ہو جائیں۔ جسمانی وجود کا احساس بھی باقی رہے اور ٹائم اسپیس کی گرفت بھی ٹوٹ جائے، اس کیفیت کا نام مراقبہ ہے۔

۹۵  
 عام مشاہدے کی رُو سے زندگی گزارنے کی  
 جو طرز میں موجود ہیں یا ہر آدمی زندگی کی جن طرزوں

## زندگی ایک اطلاع ہے

میں سفر کرتا ہے، وہ وہ ہیں۔ ایک طرز یہ ہے کہ آدمی شعوری جو اس میں زندگی کے  
 تمام تقاضے پورے کرتا ہے لیکن ساتھ ساتھ ہر تقاضا پورا کرنے کے لئے اسے  
 جسمانی طور پر محنت اور جہد و جہد کرنا پڑتی ہے۔ جب تک جسمانی اعضا اپنا وظیفہ پورا  
 نہیں کرتے، اس وقت تک تقاضے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جسمانی اعضا سے مراد ہاتھ،  
 پیر، کان، انک، آنکھیں وغیرہ وغیرہ ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم اس بات سے بھی  
 قطع نظر نہیں کر سکتے کہ جسمانی اعضا دماغ کے تابع ہیں۔ دماغ جب تک محرک نہیں  
 ہوتا، اعضا میں حرکت نہیں ہوتی اور دماغ کی حرکت خیال کے تابع ہے۔ جب  
 تک دماغ کے اندر کوئی خیال وارد نہیں ہوتا اس وقت تک دماغ جسمانی اعضا کو  
 کوئی حکم نہیں دیتا، کوئی ترغیب (INSPIRATION) نہیں دیتا۔

خیال کیا ہے؟ خیال دراصل تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ایک اطلاع ہے۔  
 مثلاً دماغ بتاتا ہے کہ اب سو جاؤ اس لئے کہ مزید جاگنا جسم کے لئے مناسب نہیں ہے  
 پھر دماغ کہتا ہے کہ اب بیدار ہو جاؤ اس لئے کہ اس سے زیادہ سونا جسمانی کارکردگی  
 کے لئے مفرب ہے۔ دماغ کہتا ہے کہ اب کھانا کھاؤ اس لئے کہ اگر کھانا نہیں کھایا گیا تو  
 زندگی میں ایندھن بننے والی کیلوریز (CALORIES) ختم ہو جائیں گی۔ علیٰ ہذا یقیناً  
 زندگی کے تمام تقاضے پورا کرنے کے لئے دماغ احکامات صادر کرتا رہتا ہے۔ اور  
 ان احکامات کی پیروی پورا جسم کرتا ہے۔ دماغ جو احکامات دیتا ہے اس کا تعلق  
 اطلاع سے ہے لیکن دماغ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ اطلاع کہاں سے آرہی ہے

دماغ صرف اس حد تک بانجبر ہے کہ اسے اطلاع ملتا ہے۔ وہ اطلاع میں جسمانی تقاضوں کے تحت معانی پہناتا دیتا ہے اور معانی پہناتا کر جسم کے اندر جو مشین فٹ ہے اس کو اطلاع دیتا رہتا ہے۔ مشین اس پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے تقاضوں کی اصل بنیاد اطلاع ہے۔ اطلاعات میں معانی پہناتے کی دو طرز ہیں۔ ایک طرز میں جو اس زمان و مکان کے پابند ہیں لیکن دوسری طرز میں جو اس معانی پہناتے میں زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔ جس طرح جسمانی اعضا کو کنٹرول کرنے کے لئے جسم کے اندر ایک دماغ ہے اور وہ دماغ اطلاعات قبول کر کے اس میں معانی پہناتا ہے اسی طرح روحانی دماغ جن اجزائے ترکیبی سے مرکب ہے، یہ اجزائے ترکیبی زمان و مکان سے آزاد ہیں۔

**مثال:** جسمانی دماغ ہمیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ جسم کو انرجی حاصل کرنے کے لئے روٹی کھانے کی ضرورت ہے۔ ہم جب اس اطلاع کی تکمیل کرتے ہیں تو ہمیں تو اترا اور تسلسل کے ساتھ کئی حد بندیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ہم گندم بوئیں گے، پھر اس کی حفاظت کر کے اس کو پروان چڑھائیں گے، پھر اس کو کاٹ کر بالیوں میں سے الگ کریں گے۔ پھر کچی پر سپوائیں گے۔ پھر آٹا گوندھ کر روٹی پکائیں گے اور پھر روٹی کھائیں گے۔ یہ جسمانی دماغ کی اطلاع میں معانی پہناتے کا عمل ہے۔ اس کے برعکس روحانی دماغ جب ہمیں کسی چیز کے کھانے کی اطلاع فراہم کرتا ہے تو ہمیں ان تمام حد بندیوں سے گزرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جیسے ہی روحانی دماغ میں یہ اطلاع آئی کہ کچھ کھانا چاہیے، ساتھ ہی اطلاع میں یہ معانی پہناتے گئے کہ روٹی کھانی چاہیے اور فوراً ہی اس کی تکمیل ہو گئی۔ گندم بونا، کاٹنا، پینا اور روٹی پکانا سب



باتیں حذف ہو گئیں۔ روحانی دماغ خواب میں کام کرتا ہے۔ اور مشق کے بعد مراقبہ بن جاتا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی روحانی دماغ کی اطلاع قبول کر کے وسائل کی محتاجی کے بغیر روٹی کھا لیتا ہے، اسی طرح کوئی بندہ جو مراقبہ کے عمل سے واقف ہے یا اس کے اندر روحانی دماغ متحرک ہو گیا ہے تو اس کے اندر سے زمان و مکان کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ جس طرح بیداری میں روٹی کھانے کے لئے مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح سفر کرنے کے لئے بھی مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ہمیں کراچی سے لندن جانا ہے۔ گھر سے باہر نکلیں گے۔ رکتہ یا ٹیکسی میں بیٹھ کر ایئر پورٹ پہنچیں گے۔ ہوائی جہاز میں سوار ہوں گے اور فضا میں تیرتے ہوئے لندن پہنچیں گے۔ لیکن یہی سفر اگر ہم مراقبہ کی حالت میں کریں گے تو نہ گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہوگی، نہ ٹیکسی رکتہ کی حاجت پیش آئے گی اور نہ ہوائی جہاز میں بیٹھنا عمل میں آئے گا۔ مراقبہ میں انسان خیال کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کراچی میں بیٹھے ہوئے آدمی نے اس بات کا ارادہ کیا کہ مجھے دہلی جانا ہے اور وہ سیکنڈ کے ہزاروں حصہ میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کی مثال ہر آدمی کے اوپر خواب میں گزرتی ہے۔ ایک آدمی کراچی میں خواب دیکھتا ہے کہ وہ دہلی میں ہے۔ وہ دہلی میں آجہ قطب الدین بختیار کاکی رحم کے مزار پر مراقبہ کر رہا ہے۔ دہلی کی فضا سے پوری طرح باخبر اور متاثر ہے۔ گھر کے کسی آدمی نے پیر ہلا دیا۔ اب وہ کراچی میں موجود ہے۔

ہم نے مراقبہ کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ یہ چار قسمیں اصل چار ابتدائی کلاسیں یا چار سیرٹھیاں ہیں۔ ان چار کلاسوں کو پڑھ کر یا ان چار سیرٹھیوں سے گزر کر قلند شعور کا مسافر جب پانچویں درجے میں

مراقبہ کی چار کلاسیں

داخل ہوتا ہے تو وہ الہامی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی آدمی اہتمام کر کے کسی جگہ بیٹھے اور آنکھیں بند کر کے اپنے ارادے یا اختیار سے اپنے روحانی جسم کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرے یا زمین سے عرش پر منتقل ہو۔ الہامی کیفیت بیٹھے اٹھتے، چلتے پھرتے، باتیں کرتے کسی بھی حالت میں طاری ہو سکتی ہے۔ اس کیفیت میں اگر پہلا دماغ جس کو ہم نے بیداری کا دماغ اور شعور کہا ہے اقلندر شعور سے وابستہ ہے تو آدمی بیداری میں کام کرتے ہوئے بھی دوسری دنیا کا نہ صرف مشاہدہ کرتا ہے بلکہ دوسری دنیا کے معاملات میں دل چسپی بھی لیتا ہے۔ اور جس طرح بیداری میں زندگی گزارتا ہے اسی طرح دوسری دنیا میں بھی زندگی سرگرم عمل رہتی ہے۔ یہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں شعور اور لاشعور بیک وقت کام کرنے لگتے ہیں۔ لیکن الہامی کیفیت میں کوئی کیفیت مستقل نہیں ہوتی۔ وقفہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہفتوں مہینوں الہامی کیفیت نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں چوبیس مرتبہ الہامی کیفیت طاری ہو جائے۔ پھر حال یہ اطلاع میں ایسے معانی پہنچانے کا عمل ہے جو شعور اور لاشعور دونوں میں بیک وقت جاری و ساری ہے۔

پیدا ہونے سے پہلے کی زندگی | یہ بات غور طلب ہے کہ اس دنیا (عالم ناسوت) میں آنے سے پہلے روح کہاں

موجود تھی۔ اس لئے کہ جب ہم لفظ 'آنا' استعمال کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ کہیں کوئی چیز موجود ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ کوئی چیز کہیں موجود ہے تو یہ بات زیر بحث آتی ہے کہ وہ چیز کس صورت اور کن خدو خال میں موجود ہے جب

صورت اور خدو خال کا تذکرہ ہوتا ہے تو صورت اور خدو خال کے لئے کسی مقام کا تعین بھی ضروری ہے۔ مقام کے تعین کے ساتھ ساتھ ٹائم اسپیس زیر بحث آجاتا ہے۔ ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھے؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے تمام انسان، حیوانات عالم ارواح میں موجود تھے۔ عالم ارواح سے منتقل ہو کر عالم ناسوت (مادی دنیا) میں آگئے۔ لیکن جب ہم عالم ارواح کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ بات تشریح طلب بن جاتی ہے کہ عالم ارواح کیا ہے؟ عالم ارواح کا علم لاتنا ہی علم ہے لیکن اللہ نے جن لوگوں کو یہ علم عطا کیا ہے وہ اس علم سے روشناس ہیں۔ اور یہ علم اپنے شاگردوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔

چھپا ہوا خزانہ

آسمانی صحائف کے نقطہ نظر سے جب ہم تخلیق کائنات پر فکر کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ

ہم مخلوق ہیں اور اللہ ہمارا خالق ہے۔ خالق نے جب چاہا کائنات کو بنا دیا۔ سوال یہ ہے کہ خالق نے کیوں چاہا اور خالق نے جو چاہا وہ پہلے سے موجود تھا یا نہیں؟ اگر خالق کا چاہنا موجود تھا تو وہ کہاں تھا اور خالق نے کائنات کیوں بنائی؟ اس کے بارے میں تالوق خود کہتا ہے میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے مخلوق کو محبت کے ساتھ اس لئے پیدا کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔

مخلوق جو کچھ اور جس طرح موجود ہے، اس کی موجودگی کے بارے میں بھی خالق خود بتاتا ہے کہ میں نے مخلوق کو اپنی صفات پر پیدا کیا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ذات کو صفات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ صفات ذات کے اندر موجود ہوتی ہیں اور صفات سے ہی ذات کا تعارف ہوتا ہے۔

# لوح محفوظ

تمام آسمانی صحائف اور الہامی کتابیں وہ صحیفہ ابراہیمی ہوں، زبور ہوں، انجیل ہو، تورات ہو، گیتا ہو یا آخری کتاب ستر آن ہو، ہر کتاب اور الہامی تحریر میں یہ علم عطا کرتی ہے کہ زندگی کے تقاضے، زندگی کے تمام اعمال و حرکات اور زندہ رہنے کی کل طرزیں زندگی کے تمام زمانے اور نشیب و فراز کن کے ساتھ ایک سطح پر نقش ہو گئے۔ یعنی کائنات اور کائنات کی زندگی کامل طرزوں کے ساتھ ایک ریکارڈ کی حیثیت میں موجود ہے۔ جس جگہ، جس سطح پر یا جس اسکرین پر کائنات اپنے پورے خود و حال کے ساتھ ریکارڈ ہے یا محفوظ ہے، الہامی کتابیں اسے "لوح محفوظ" کا نام دیتی ہیں۔

زمین کی سطح پر جو کچھ مظاہرہ ہو رہا ہے وہ دراصل لوح محفوظ پر بتی ہوئی فلم کا مظاہرہ (DISPLAY) ہو رہا ہے۔ سائنسی زبان میں اس بات کو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ایک پروجیکٹر ہے۔ اس پروجیکٹر پر ایک فلم لگی ہوئی ہے۔ وہ فلم جب چلتی ہے تو جہاں جہاں اسکرین موجود ہے وہاں وہاں یہ فلم نظر آتی رہتی ہے۔ اس قانون سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہماری زمین کی طرح بے شمار زمینیں موجود ہیں۔ جس طرح ہماری زمین پر انسانی آبادی ہے، اسی طرح کائنات میں موجود بے شمار سیاروں پر بھی انسان آباد ہیں اور وہاں بھی زندگی گزارنے کے تمام وسائل موجود ہیں۔

اللہ کی تخلیق۔ پروجیکٹر پر ایک فلم لگی ہوئی ہے۔ پروجیکٹر کی فلم اس وقت تک اسکرین پر



متعکس نہیں ہوتی جب تک کہ پروجیکٹر کو کوئی روشنی فیڈ (FEED) نہ کرے۔ لوح  
 محفوظ پر چلنے والی فلم کو جو روشنی متحرک کرتی ہے وہ اللہ کی تخلیق ہے۔ اللہ کی اس  
 تخلیق کا عکس براہ راست لطیفہٴ حقیقی پر پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عیب کوئی بندہ  
 اپنے اندر موجود لطیفہٴ حقیقی کو دیکھ لیتا ہے یا اپنے اندر موجود لطیفہٴ حقیقی سے واقف ہو جاتا  
 ہے تو دراصل وہ اللہ کی تخلیق کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس کے سامنے یہ بات آجاتی  
 ہے کہ "کن" کہنے سے پہلے عالم موجودات کی کیا حیثیت تھی اور "کن" کہنے کے بعد  
 کائنات کی کیا حیثیت ہے۔

# کائنات پر حکمرانی

اللہ کہتا ہے میں تمہاری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہوں۔ رگِ جاں غیب ہے۔ اور انسان کے اندر موجود ہے۔ یعنی انسان کے اندر (INNER) میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کو زندگی کی بنیاد (BASE) قرار دیا جاتا ہے۔ اگر وہ چیز انسان کے اندر موجود نہ رہے تو زندگی تلف ہو جاتی ہے۔ جب سالک اپنی رگِ جاں کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اللہ کی قربت کا احساس اس کے اندر جاگ اٹھتا ہے اور وہ خود کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔ اللہ کو پہچان لیتا ہے۔ اللہ کو پہچانتے کے لئے پہلے خود کو پہچانا ضروری ہے۔ خود کو پہچانا اور اصل کائنات کے رموز کو جاننا اور پہچانا ہے۔ کائنات کے رموز سے واقفیت کائنات کے اوپر حکمرانی ہے۔ کائنات پر حکمران بندہ ہی اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔

روحانیت محض اس عمل کا نام نہیں ہے کہ کسی اسم کا ورد کر لیا یا محض ذکر و فکر میں آدمی زندگی گزار دے۔ روحانیت کا اصل منشا اور مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات (INNER) سے واقف ہو جائے۔

روشنی کی چار منہریں | سائنسی نقطہ نظر سے چھ لطیفوں کی تشریح کی جائے  
تو یہ کہا جائے گا کہ چھ لطیفے یا چھ جزیرے ہیں جن کے اندر دور کرنے والی روشنیاں وہم بنتی ہیں، خیال بنتی ہیں، تصور بنتی ہیں اور پھر شکل و

صورت کے ساتھ منظر بن جاتی ہیں۔ اس بات کی زیادہ وضاحت کرتے کے لئے  
 ضروری ہے کہ ہم اس بات پر بھی روشنی ڈالیں کہ ان چھ نقطوں یا چھ دائروں یا چھ  
 بنیادی چیزوں میں جو روشنیوں، خیالات، تصورات اور احساسات بنتے ہیں ان کا منبع  
 (SOURCE) کیا ہے۔ اور یہ روشنیوں کہاں سے آتی ہیں اور کس طرح ان  
 نقطوں کو یا ان روشن دائروں کو فیڈ کرتی ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہم چھ دائروں  
 کو دوہرا کر کے تین دائروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان تین دائروں یا چھ رگوں کو چار  
 نورانی نہریں فیڈ کرتی ہیں۔

روشنی کی پہلی نہر کا نام قسطیر ہے۔

روشنی کی دوسری نہر کا نام تشدید ہے۔

روشنی کی تیسری نہر کا نام تجرید ہے۔

اور روشنی کی چوتھی نہر کا نام تسوید ہے۔

یہ تین نہریں اور ایک نورانی آبخار پیدائش سے پہلے کی زندگی میں پیدائش  
 کے بعد کی زندگی میں، مرنے کے بعد کے عالم مشترک و نشر، جنت و دوزخ اور ازل سے  
 ابد کے پروگرام کو ہر آن اور ہر لمحہ فیڈ کرتی رہتی ہیں۔ اور نورانی نہروں کے یہ انوار اور  
 روشنیوں ہی ہم، خیال، تصور، احساس اور منظر بنتی رہتی ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ دائرے یا بنیادی چیزیں تین ہیں اور نہریں چار ہیں۔ یہ نہریں  
 کیا ہیں، ان نہروں کے تخلیقی فارموں کے کس طرح سرگرم عمل ہیں، ان روشنیوں سے یا ان  
 انوار سے اللہ کی کون کون سی صفات کا تعلق ہے، وہ کون کون سے روحانی علوم  
 ہیں جو ان نہروں میں ذخیرہ ہیں۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو بندہ کو اللہ خود پڑھاتا ہے۔

# نیابت اور خلافت

قلند شعور کی تعلیمات کے مطابق انسان کی فضیلت اور کائنات میں دوسری مخلوقات کی نسبت اس کا ممتاز ہونا اور اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے انسان کا متصف ہونا اور انسان کے لئے ملائکہ کا مسجود ہونا اور انسان کے لئے کائنات کا مسخر ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کو اللہ نے اپنی ان صفات کا علم عطا کر دیا ہے جو کائنات میں موجود دوسری کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کو جان کر پڑھ کر کوئی بندہ کائنات میں اپنی ممتاز حیثیت سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ سارا کا سارا علم اس نظام سے متعلق ہے جس نظام کے تحت کائنات چل رہی ہے۔ ایک صاحب علم بندہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ سورج کیا ہے، چاند کیا ہے، ستارے کیا ہیں، فرشتوں کی مخلوق کیا ہے، اللہ نے جنات کو کس شکل و صورت میں پیدا کیا ہے اور جنات کی عادات و اطوار کیا ہیں۔ ایک نظام شمسی میں کتنے سیارے کام کرتے ہیں اور ایک کہکشاں میں کتنے نظام ہائے شمسی متحرک ہیں۔ وہ بندہ جو اللہ کی امانت کے علم کا امین ہے یہ جان لیتا ہے کہ اللہ کی تخلیق میں اللہ کی صفات اور اللہ کی مشیت کا کس طرح عمل دخل ہے۔ اس کے علم میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ آدمی مرنے سے پہلے عالم ناسوت کی زندگی کن تخلیقی قاریوں کے تحت گزارتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ پیدائش سے پہلے آدمی کہاں تھا، پیدائش سے پہلے آدمی کہاں تھا اس سے



پہلے کا عالم کیا ہے؟ اگر اس عالم کا نام "برزخ" ہے تو برزخ سے پہلے کون سا عالم ہے۔ برزخ سے پہلے کے عالم کا نام اگر عالم ارواح ہے تو عالم ارواح سے پہلے کون سا عالم ہے۔ عالم ارواح میں کائنات کی ساخت کیا ہے اور عالم ارواح سے پہلے کائنات کس طرح وجود پذیر ہے۔ کون کے بعد کائنات اور کائنات کے انفرادی اعتبار سے کس قسم کے جو اس اور کس قسم کا اور ایک رکھتے ہیں۔ اور کون سے پہلے افراد کائنات کی حیثیت کیا تھی۔ یہ بات بھی اس کے علم میں ہوتی ہے کہ پیدا ہونے کے بعد سے قیامت تک کی زندگی کون بنا بطوں پر قائم ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایک وجود کے اوپر روشنیوں کے کتنے غلاف چڑھے ہوتے ہیں۔ اللہ کے اس علم کی بدولت اس کے مشاہدے میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ روشنیوں کے وجود کے اوپر نور کے کتنے غلاف ہیں۔ نور اور تخیلی ہیں کیا فرق ہے۔ تخیلی اور تدلی کیا ہے۔ یہ سب علوم اُسے اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب وہ اس علم سے واقف ہو جاتا ہے جس علم کو اللہ نے اپنی امانت قرار دیا ہے، ایسی امانت جو صرف انسان کو حاصل ہے یہ وہی امانت ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ نیابت اور خلافت کا مفہوم یہ ہے کہ جو جس کا نائب ہوتا ہے اس کے اختیارات اُسے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ خالق ہے۔ اللہ کے اپنے ذاتی اختیارات تخلیقی ہیں۔ انسان جب زمین پر اللہ کا نائب بنا دیا گیا تو اسے بھی اللہ کے تخلیقی اختیارات منتقل ہو گئے۔ ان ہی تخلیقی اختیارات کو نافذ کرنے والے بندوں کے گروہ کو "اہل تکوین" کہا جاتا ہے۔

اللہ نے آدم کو علم الاسما سکھا دیا یعنی اپنی صفات کی حقیقت سے آدم کو آشنا کر دیا۔ اور فرشتوں سے پوچھا کہ اگر

آدم اور ملائکہ

تم جانتے ہو تو بیان کرو۔ فرشتوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم صرف اس حد تک جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں بتا دیا ہے۔ یعنی آدم کی حیثیت علمی اعتبار سے فرشتوں سے زیادہ ہے۔ اللہ اور فرشتوں کی اس علم و اہلی کی گفتگو میں تین مستیاں موجود ہیں۔ ایک آدم، دوسری اسی فرشتوں کی اور تیسری اسی خود اللہ کی ذات۔ آدم اللہ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اس کے سامنے فرشتے بھی ہیں۔ وہ اس بات سے بھی واقف ہے کہ اللہ نے جو علم مجھے عطا کر دیا ہے، وہ فرشتے نہیں جانتے۔ نہ صرف یہ کہ فرشتے یہ علم نہیں جانتے بلکہ وہ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ علم کی اس حیثیت میں جو آپ نے آدم کو عطا فرما دیا ہے ہم آدم سے کم تر ہیں۔ جس عالم میں یہ گفتگو ہو رہی ہے اس عالم کو غیب کی دنیا کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ فرشتے غیب کی دنیا کی مخلوق ہیں اور اللہ کی ذات غیب ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آدم غیب میں نظر میں رکھتا ہے۔ اس کے اندر غیب کو دیکھنے، سمجھنے، سننے اور محسوس کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اللہ کیوں کہ لامتناہی ہے، اس لئے اللہ کی صفات کا علم بھی لامتناہی ہے۔ یعنی آدم کو اللہ نے جو علم عطا کیا ہے وہ بھی لامتناہی ہے۔ یہ علم سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ جب آدم کی حیثیت فرشتوں سے افضل قرار پائی تو کائنات میں موجود تمام انواع و موجودات سے آدم افضل ہو گیا اس لئے کہ آدم کے پاس لامتناہی صفاتی علم ہے۔ اللہ کی صفات کیا ہیں؟ اللہ بحیثیت ذات خالق ہے اور اللہ کی تمام صفات بحیثیت خالق کائنات کے تخلیقی عناصر اور تخلیقی فارمولے ہیں۔ یہی وہ امانت ہے جو آدم کو اللہ نے اپنی رحمت خاص سے عطا فرمائی ہے۔

آدم اور اللہ کی گفتگو میں اگر تفکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ نوع انسانی کے علاوہ اور کئی مخلوق ہیں جن میں سے ایک کا نام فرشتہ ہے اور دوسری مخلوق کا نام جن ہے۔ ہم نہ جنات کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ جنات اور فرشتوں کی دنیا سے ہم اس لئے متعارف نہیں ہیں کہ ہم اس امانت سے بے خبر ہیں جو اللہ نے اپنی رحمت خاص سے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

یہ بات روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتی ہے کہ ہماری نظر ایک متعین حد میں کام کرتی ہے لیکن اگر نظر کی متعین حدود

دور بین آنکھ

میں اضافہ کر دیا جائے تو نظر عام حالت میں جتنا دیکھتا ہے اس سے زیادہ فاصلے پر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً ہم آنکھوں پر دور بین لگا لیتے ہیں۔ دور بین کے اندر جو شیشے (LENSES) لگے ہوتے ہیں وہ ان طول موج (WAVE LENGTH) کو

جو نظر کے لئے دیکھنے کا باعث بنتے ہیں آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ اب ہم میلوں فاصلے کی چیز دیکھ لیتے ہیں۔ کسی آدمی کی نظر کمزور ہے۔ سامنے کی چیز اسے نظر نہیں آتی۔ اور چشمہ لگانے کے بعد وہ دور تک دیکھنے لگتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیشے کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے کہ اگر آپ اس کو مستقل کر لیں اس کی طاقت بڑھا دیں تو نظر دور تک کام کرنے لگتی ہے۔ جب آپ شیشے کے اندر سے میلوں میل دیکھ رہے ہیں تو اس آنکھ سے جس آنکھ نے فرشتوں کو دیکھا ہے اور اللہ کو دیکھا ہے، غیب کی دنیا میں کیوں نہیں دیکھ سکتے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ آدم کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر مخصوص صلاحیتیں کام کرتی ہیں اور آدم کی اولاد کوئی ایسی چیز ہے جس میں وہ صلاحیتیں کام نہیں کرتیں۔

گوشت پوست کا وجود | آدم و حوا کی اولاد میں ہر فرد دراصل آدم و حوا کا عکس، مثل اور فوٹو ہے جس طرح

آدم کے اندر علم الہیہ کی صلاحیت موجود تھی، اسی طرح ہر فرد میں وہ صلاحیت اللہ کی طرف سے ودیعت ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اصل انسان روح ہے اور انسان کی زندگی کے سارے تقاضے روح سے منتقل ہوتے ہیں۔ جب تک اس جسم (گوشت پوست کے لوٹھڑے) کو روح زندہ اور متحرک رکھتی ہے گوشت پوست کے جسم میں حرکت باقی رہتی ہے اور حیا روح اس گوشت پوست کے جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو گوشت پوست کے جسم میں کوئی حرکت باقی نہیں رہتی۔ یہ روح وہی روح ہے جس کو اللہ نے اپنی نیابت دی تھی۔ آدم نے جنت میں جس وقت اللہ کے حکم سے سرتابی کی، اسی وقت روح کے اوپر ایک پردہ آگیا اور وہ امانت جس کی بنیاد پر وہ کائنات میں اشرف تھا پس پردہ چلی گئی یہی پردہ جسمانی گوشت پوست ہے۔

جب تک کسی بھی آدم زاد کی دل چسپیاں اس جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں، روحانی صلاحیتیں چھپی رہتی ہیں اور حیا کسی بھی آدم زاد کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ گوشت پوست کا جسم دراصل نامنصرمانی کرنے کے جرم میں ایک پردہ ہے تو اس کا ذہن حقیقت کی تلاش میں مصروف ہو جاتا ہے اور یہ تلاش اسے اس امانت سے باخبر کر دیتی ہے جس امانت کی وجہ سے کائنات کے اوپر انسان کو شرف حاصل ہے کسی علم کو سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کسی استاد کو اپنا رہنما بنائیں۔ اور جس طرح استاد کے بلاچوں و چراذہنی طور پر اس کو قبول کر لیں۔ جب کوئی شاگرد بنتا ہے تو



استاد شاگرد سے کہتا ہے پڑھو الف۔ شاگرد کچھ نہیں جانتا کہ الف کیا ہے وہ اپنے استاد کی نقل میں کہتا ہے الف اور دھیرے دھیرے استاد کی نقالی کرتے ہوئے وہ علم سیکھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر بچہ پہلے قدم پر استاد سے یہ کہے کہ الف کیا ہے تو علم حاصل نہیں کر سکتا اس لئے کہ جس وقت استاد شاگرد سے کہتا ہے پڑھو الف، اس کی ذہنی سکت اتنی ہی ہوتی ہے کہ وہ جو ابابکھے الف۔ ہم کتنے بھلی پڑھ لکھ کر فاضل ہو جائیں، کتنی ہی ڈگریاں حاصل کر لیں، امانت اور رُو حانیت کے لئے ہماری پوزیشن ایک ایسے شاگرد کی ہے جو پہلی مرتبہ مکتب میں داخل ہوتا ہے۔

**اللہ میاں کی حیل** | آدمی جب نیابت و خلافت کی منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اس کے اوپر آلام و مصائب کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ خالق کائنات چونکہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر قسم کے حالات سے ماورا رہے۔ اس لئے جب کسی بندے کے اندر خالق کائنات کی صفات کروٹ بدلتی ہیں تو اس کے اوپر وہی کیفیات وارد ہوتی ہیں جو اللہ کی صفات کا تقاضا ہیں۔ آدم کو اللہ نے اپنے انعام و اکرامات سے نوازا کر جنت میں رکھا اور فرمایا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ یہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ایسے لوگوں میں ہو گا جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ آدم سے صبر نہ ہو سکا اور وہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہو گیا جیسے ہی آدم نافرمانی کا مرتکب ہوا، روشنی کی جگہ تاریکی نے لے لی۔ توحشی کی جگہ غم چھایا۔ آزادی کی جگہ قید و بند نے اپنے نیچے گاڑ دیئے اور آدم نہایت حسرت و

یاس میں جنت چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ آدم نے اللہ کی نافرمانی کی اور جنت جیسی نعمت سے اس نے کفران کیا۔ اللہ نے اپنی رحمت اور کرمی کی صفت سے پھر آدم کے اوپر فضل کیا۔ تسخیر کائنات سے متعلق اللہ نے جو نذرانے عطا فرمائے تھے، آدم کو ان سے محروم نہیں کیا اور کہا۔

”تمہارا وطن جنت ہے۔ تم جب چاہو اپنے وطن میں واپس آسکتے ہو تمہیں

صرف یہ کرنا ہے کہ نافرمانی کے دائرے سے باہر آ جاؤ۔ ہم اپنے منتخب لوگ بھیجتے رہیں گے۔ وہ ہمیں متوجہ کرتے رہیں گے کہ تم ایک عظیم نذرانے کے مالک

ہمارے یہ پاکیزہ بندے اس راستے پر چلنے کے لئے تمہارے لئے قاعدے اور

ضابطے بنائیں گے تاکہ تم آسانی کے ساتھ اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ۔ اور یہ جو

جنت کے خلاف تم اسفل سافلین کی زندگی بسر کر رہے ہو یہ تمہارے لئے جہل نذرانہ

ہے۔ اگر تم نے اس زندگی میں اپنے اور جنت کے درمیان پردے کو نہیں ہٹایا

تو جنت تمہیں واپس نہیں ملے گی۔“

قدرت نے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور ظالم، سرکش، زانہ و سرمان

نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور اپنی سنت

قائم رکھنے کے لئے پیغمبروں کے وارث اولیاء اللہ کا سلسلہ قائم رکھا، ایسا سلسلہ

جو قیامت تک جاری رہے گا۔

ہر آدمی جو ذرا بھی شعور رکھتا ہے، ہر وقت اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ

زندگی کا ہر لمحہ مر رہا ہے۔ ایک لمحہ مرنے کا ہے تو دوسرا لمحہ پیدا ہوتا ہے۔ دن مرنے

کا ہے تو رات پیدا ہوتی ہے۔ بچپن مرنے کا ہے تو لڑکپن پیدا ہوتا ہے۔ لڑکپن مرنے کا

تو جوانی پیدا ہوتی ہے اور جوانی مرنے سے تو بڑھا پاپیدا ہوتا ہے اور حسب بڑھاپا  
 مرتبہ ہے تو خوبصورت مورتی کا ایک ایک عضو مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔  
 ہڈیاں جس کے اوپر انسانی ڈھانچے کا دار و مدار ہے، راکھ بن جاتی ہیں۔  
 دماغ جس پر انسانی عظمت کا دار و مدار ہے اور جس دماغ کے اوپر انسان اگرتا  
 ہے، دوسروں کے اوپر ظلم کرتا ہے، خود کو خدا کہنے لگتا ہے اس کو بھی مٹی کھاتی  
 ہے اور مٹی کے ذرات کے بنے ہوئے اس جیسے دوسرے انسان اس دماغ کو  
 اپنے پیروں تلے روندتے ہیں۔

## روحانی بعد ادوی قاعدہ

کسی علم کو سیکھنے کے لئے اس کی الف ب سے واقف ہونا ضروری ہے۔ کوئی آدمی جب تک الف ب کا قاعدہ نہیں پڑھ لیتا، پڑھتا لکھتا نہیں سیکھ سکتا۔ جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح روحانی علوم سیکھنے کے لئے بھی قاعدہ پڑھنا ضروری ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ علوم ظاہری سیکھنے کے لئے الف ب پڑھنا ضروری ہے اور علوم باطنی سیکھنے کے لئے طرز فکر کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔ روحانیت سیکھنے کے لئے علوم ظاہری کی طرح بعد ادوی قاعدہ اب تک نہیں چھپا۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو قاعدوں اور ضابطوں پر تو مشتمل ہے مگر علوم ظاہری کی طرح پڑھنے، رٹنے یا قلم سے کاغذ پر مشق کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی آسان مثال بچے کے اندر ماں کی زبان کا منتقل ہونا ہے۔ کوئی ماں مادری زبان سکھانے کے لئے بچہ کو الف ب نہیں پڑھاتی۔ لیکن بچہ وہی زبان بولتا ہے جو اس کی ماں بولتی ہے۔ بچے کے اندر از خود وہ طرز فکر منتقل ہوتی رہتی ہے جو بچے کے ماں باپ کی طرز فکر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بکری کا بچہ گھاس کھاتا ہے، گوشت نہیں کھاتا۔ شیر کا بچہ گوشت کھاتا ہے، گھاس نہیں کھاتا۔ کیوٹر کا بچہ نہ گھاس کھاتا ہے، نہ گوشت کھاتا ہے۔ دانہ چکاتا ہے۔ آدمی کا بچہ گوشت بھی کھاتا ہے، مٹی بھی کھاتا ہے، جڑ بھی کھاتا ہے۔



لکڑی بھی کھاتا ہے، پتھر بھی کھاتا ہے۔ آدمی کا بچہ یہ سب چیزیں اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے ماں باپ کی غذا میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ آدمی کی طرح اگر شیر بھی یہ سب چیزیں کھاتا تو اس کے بچوں کی بھی یہی خوراک ہوتی۔ کھانا پینا، شکار کرنا اور زندگی کے دوسرے عوامل بچے کے اندر ماں باپ سے منتقل ہوتے ہیں۔ یعنی ان سب چیزوں کو سیکھنے کے لئے کسی ابتدائی کتاب یا قاعدہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ بات بھی تفکر طلب ہے کہ ہر مخلوق زبان رکھتی ہے اور ایک دوسرے کو اپنی زبان میں جذبات و احساسات سے مطلع کرتی ہے۔ مرعی کو جب خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اس کے بچے چیل اٹھالے جائے گی تو وہ ایک مخصوص آواز نکالتی ہے اور سارے بچے اس کے پروں میں سمٹ آتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح ہر نوع اپنی اپنی زبان جانتی ہے اور یہ زبان اس کی نسل میں رائج ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ گفتگو کا ایک انداز اور بھی ہے جس سے ہر شخص کسی نہ کسی وقت دوچار ہوتا ہے اور ہر شخص اس انداز گفتگو سے واقف ہے وہ ہے اشاروں کی زبان۔ ایک باپ اپنے بچے سے کوئی بات منوانا چاہتا ہے اور آنکھوں کے ایک مخصوص انداز سے بچے کی طرف دیکھتا ہے، بچہ یہ بات سمجھ لیتا ہے۔ ماں بچے کے رونے سے یہ سمجھ جاتی ہے کہ اب بچہ بھوک سے رو رہا ہے یا وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

آپ اپنے دوستوں کے ساتھ کمرے میں بیٹھے ہیں۔ وہاں اس قسم کا ماحول ہے یا اس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے کہ جس کے بارے میں آپ کا ذہن یہ ہے کہ بچے اس گفتگو کو نہ سنیں یا بچے کا اس ماحول میں موجود ہونا مناسب نہیں ہے۔ جیسے

ایسی بچہ کمرے میں داخل ہوتا ہے آپ اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ تم یہاں نہ آؤ۔ آپ گردن ہلاتے ہیں۔ نہ بولتے ہیں اور نہ کوئی واضح اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے دماغ میں موجود خیال سے بچہ واقف ہو جاتا ہے۔ بچہ پوری طرح آپ کی بات سمجھ کر کمرے سے چلا جاتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کا کوئی عزیز بہت دور رہتا ہے اور وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے اور آپ پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ ساری پریشانیان حقیقت بن کر آپ کے سامنے آجاتی ہیں۔ کبھی یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ فلاں دوست سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ باہر نکلتے ہیں اور دوست سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ بیٹھے بیٹھے ایک دم کسی حادثہ سے متعلق ایک فلم متحرک ہو جاتی ہے اس فلم کے متحرک ہونے سے دماغ پر اتنا وزن اور دباؤ پڑتا ہے کہ اعصاب ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ آدمی نڈھال ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بغیر کسی وجہ اور بغیر کسی سبب کے دماغ کے اندر کھل پھلٹیاں سی پھوٹنے لگتی ہیں اور آدمی خوش ہو جاتا ہے۔ بظاہر خوش ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ لیکن خوشی کے تاثر کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

روح اور کمپیوٹر | ان مندرجات سے ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ انسان کے اندر کوئی کمپیوٹر نصب ہے جو اس کی

زندگی کے مختلف مراحل سے گزرنے کی ہدایات دے رہا ہے۔ کبھی وہ ایسی ہدایات دیتا ہے کہ آدمی رنجیدہ ہو جاتا ہے اور کبھی ایسی اطلاع دیتا ہے کہ وہ خوش ہو جاتا

ہے۔ کبھی اسے پانی پینے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اور کبھی کھانا کھانے کی۔ کبھی کمپیوٹر اسے اطلاع دیتا ہے کہ اب اعصاب میں مزید عمل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں رہی ہے، سو جاؤ۔ پھر یہ اطلاع ملتی ہے کہ اب مزید چار پائی پر لیٹے رہے اور شعوری حواس میں داخل نہ ہونے سے اعصاب مضمحل ہو جائیں گے اور آدمی اس اطلاع کو قبول کر کے بیدار ہو جاتا ہے۔ جب تک دماغ کے اندر نصب شدہ کمپیوٹر کوئی اطلاع نہیں دیتا، آدمی یا کوئی بھی ذی روح کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس میں انسان، بھیڑ، بکری، کسی جانور، نباتات یا جمادات کی کوئی قید نہیں ہے۔ سب کے اندر یہ اطلاع دینے والی مشین نصب ہے۔ یہ مشین وہی اطلاع فراہم کرتی ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ کمپیوٹر آدمی کی روح ہے۔ موجودات میں عینی ذی روح اور غیر ذی روح ہیں ان سب میں ایک ہی طرح کا کمپیوٹر نصب ہے۔ کوئی مخلوق اس کمپیوٹر کے علم سے واقف نہیں ہے۔ اللہ نے صرف انسان کو اس کمپیوٹر کا علم سکھایا ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کو آدم اور فرشتوں کے قصے میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: "میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: یہ تو فساد برپا کرے گا اور ہم آپ کی تسبیح و تقدیس کے لئے کافی ہیں۔" اللہ نے فرمایا: "ہم جو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔" فرشتوں کو یہ بات سمجھانے کے لئے آدم کو علم الاسماء سکھا دیا۔ اور آدم سے کہا: "اس علم کو ظاہر کرو۔" اور فرشتوں سے کہا: "اگر تم سچے ہو تو تم اس علم کے بارے میں بتاؤ۔" فرشتوں نے عرض کیا: "ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔"

آدم کی اولاد آدم ہے اور آدم کی اولاد بحیثیت آدم کے اس بات کا  
مشاہدہ کرتی ہے جن مشاہدات سے آدم گزرا ہے۔ اگر کوئی آدم زاد اس بات  
کا مشاہدہ نہ کر سکے جس حالت کا مشاہدہ آدم نے کیا یعنی خود کو فرشتوں کا مسجود دیکھنا  
اللہ اور فرشتوں کے درمیان مکالمہ ہوتا، اللہ کا یہ کہنا کہ ہم نے آدم کو اپنی صفات  
کا علم سکھا دیا اور فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم صرف اس حد تک واقف ہیں جس حد  
تک آپ نے ہمیں علم عطا فرما دیا ہے، تو وہ ہرگز آدم کی اولاد کہلانے کا مستحق نہیں  
ہے۔ اس کی حیثیت اس آدم کی نہیں ہے جس آدم کے بارے میں اللہ نے فرمایا  
کہ یہ میرا نائب اور خلیفہ ہے۔

اس گفتگو کا اجمال یہ ہوا کہ آدم زاد اگر ازل میں دی گئی نیابت سے  
واقف نہیں ہے اور ان واقعات کو اگر اس نے دنیاوی زندگی میں نہیں دیکھا  
تو وہ آدم کی باسعادت اولاد نہیں ہے۔ محض شکل و صورت کی بنا پر اس کو آدم زاد  
کہہ دیا جائے تو اس کو ناخلف اولاد سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ  
اگر کوئی بندہ اللہ کے اسماء کا علم نہیں جانتا تو وہ اللہ کا نائب نہیں ہے۔  
آدم زاد کو دوسری مخلوقات پر شرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ اسمائے الہیہ کا علم  
رکھتا ہے۔



## سائنس اور خرق عبادت

خرق عبادت کے سلسلے میں سائنسی نقطہ نظر سے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی ذاتی کوششوں سے اور معینہ مشقوں سے اپنے اندر مادی صلاحیتوں کو بیدار کر لیتا ہے۔ ٹیلی پیتھی اور ہینٹنٹرم کے سلسلے میں یورپ اور بالخصوص روس میں جو پیش رفت ہوئی ہے، اس کے پیش نظر اگر صرف عبادت و ریاضات کو مادی علوم کے حصول کا ذریعہ سمجھ لیا جائے تو یہ بات بہت کمزور ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ قومیں جن کا مذہب پر کوئی عقیدہ نہیں ہے، مادی علوم کے حصول میں قابل تذکرہ حد تک ترقی کر چکی ہیں۔ روحانیت میں ایک تذکرہ عام طور پر آتا ہے، تفرق کرنا یعنی شیخ، پیر و مرشد یا گرو اپنے مرید یا روحانی فرزند پر توجہ کر کے اس کے اندر کچھ روحانی تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ تفرق آج کی دنیا میں ایک سائنس دان بھی کر لیتا ہے اور وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے حسب نصاب لوگوں کو متاثر کر کے وہ کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو فی الوقت اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے آچکی ہے کہ سائنس دانوں نے خلا میں پہلے قدمی کا دعویٰ کیا ہے۔

روحانیت میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے "اندر دیکھنا" یعنی اندر کی آنکھ سے اس بیارے سے باہر کی دنیا کا مشاہدہ کر لینا ہے۔

آدمی کے اندر ایسی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں، جن صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ ایسے علوم کا اظہار کرتا ہے جو علوم کتابوں میں نہیں ملتے۔ سائنس نے اس طرف کافی پیش رفت کی ہے اور ایسے ایسے علوم کا اظہار ہو چکا ہے کہ جس کے اوپر ابتدا میں شعور انسانی نے یقین نہیں کیا۔ لیکن وہ چیزیں وجود میں آئیں اور انسان ان کے اوپر یقین کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان حالات میں روحانیت کی اصطلاحیں "توجہ، تصرف، باطنی نگاہ کا کھلنا، زمان و مکان سے آزادی" ایک معنی بن گئی ہیں۔ اب تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ ماورائی نظر کا متحرک ہونا صرف ذکر و فکر اور اشغال سے ممکن ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں یہ سمجھنا بہت ضروری ہو گیا ہے کہ جب ایسے لوگ جو مذہب پر عقیدہ نہیں رکھتے، تصرف کر سکتے ہیں، ان کے اندر باطنی نگاہ بیدار ہو سکتی ہے، وہ نئے نئے علوم کی داغ بیل ڈال سکتے ہیں، خلا میں چہل قدمی کر سکتے ہیں تو پھر یہ روحانیت کیا ہے؟

روحانیت کے ساتھ مذہب کا تذکرہ آتا ہے۔ مذہب کی بنیادیں بھی ان ہی اصولوں پر رکھی گئی ہیں کہ آدمی مذہبی فرائض پورے کرتے کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی یاد و سرور کی زندگی میں تصرف کر سکے۔ اس کے اندر باطنی نگاہ کے سامنے زمین سے باہر یا زمین کے اندر کی چیزیں آجائیں۔ لیکن جب ہم مذہب کے پیروکاروں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو لاکھوں کروڑوں میں ہمیں ایک آدمی بھی بمشکل ایسا ملتا ہے جس کے اندر تصرف کی طاقت بحال ہو گئی ہو۔ جس کے اندر باطنی نگاہ کام کرتی ہو۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مذہبی لوگ ان علوم سے بے خبر ہیں، جن علوم کی نشاندہی ایسے لوگوں نے کی ہے جو مذہب پر

عقیدہ نہیں رکھتے۔ ان حالات میں ہر سنجیدہ آدمی یہ سوچتے پر مجبور ہے کہ پھر  
مذہب کیا ہے؟

## توازن

کائنات میں بے شمار نوعیں ہیں۔ ہر نوع اور نوع کا ہر فرد  
نوعی اور انفرادی حیثیت سے خیالات کی لہروں کے ذریعے  
ایک دوسرے سے مسلسل اور پیہم ربط رکھتے ہیں۔ اور یہ مسلسل اور پیہم ربط ہی  
افراد کائنات کے درمیان تعارف کا سبب ہے۔ خیالات کی یہ لہریں دراصل افراد  
اور اجتماعی اطلاعات ہیں جو ہر لمحہ اور ہر آن کائنات کے افراد کو زندگی سے قریب  
کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری پوری زندگی خیالات کے دوش پر سفر کر رہی ہے  
اور خیالات کی کار فرمائی یقین اور شک پر قائم ہے۔ یہی نقطہ آغاز مذہب کی  
بنیاد ہے۔

آدمی زندگی کے مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے  
اور زندگی بسر کرنے کے لئے ذہن میں وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جوڑتا ہے  
اور ان ہی ٹکڑوں سے کام لیتا ہے۔ ہم یا تو وقت کے اس ٹکڑے سے آگے  
مسلل دوسرے ٹکڑے پر آجاتے ہیں یا وقت کے اس ٹکڑے سے پلٹتے ہیں۔ اس  
کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ آدمی ابھی سوچتا ہے کہ میں کھانا کھاؤں گا۔ لیکن اس کے  
پیٹ میں گرانی ہے، اس لئے وہ یہ ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ وہ کب تک اس  
ترک پر قائم رہے گا اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس کی  
زندگی کے اجزائے تریبی بھی افکار ہیں جو اسے ناکام یا کامیاب بناتے ہیں۔ ابھی  
وہ ایک ارادہ کرتا ہے، پھر اسے ترک کر دیتا ہے۔ چاہے منٹوں میں ترک کرتا

سے چاہے گفتگوں میں، چاہے مہینوں میں، چاہے سالوں میں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ  
"ترک" آدمی کی زندگی کا بستر و اعظم ہے۔

بہت سی باتیں ہیں جن کو دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بے زاری،  
بے عملی، بے عینگی وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ اب دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا  
ہے سکون۔ یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسانیاں تلاش کرتا ہے۔ ہم یہ  
نہیں کہتے کہ یہ سب حقیقتی ہیں بلکہ ان میں زیادہ تر مفروضات ہیں۔ یہی وہ چیزیں  
جو انسان کو آسان معلوم ہوتی ہیں اور یہی رحجان ہے جو آسانیوں کی طرف مائل کرتا  
ہے۔ دراصل انسان کے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ آسانیوں کی طرف  
دوڑتا ہے۔ اور ہر مشکل سے بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو سمتیں ہیں اور ان سمتوں میں  
آدمی افکار کے ذریعے زندگی گزارتا ہے۔ اس کی ہر حرکت کا نفع ان دو سمتوں میں  
سے ایک سمت ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ابھی ہم نے ایک تدبیر کی۔ اس وقت جب ہم اس  
تدبیر کی تنظیم کر رہے تھے وہ ہر طرح مکمل تھی اور اس کی سمت بھی صحیح تھی لیکن دوت  
چند قدم چلنے کے بعد ہمارے ذہن میں تبدیلی ہوئی۔ تبدیلی ہوتے ہی افکار کا رخ  
بدل گیا۔ نتیجہ میں سمت بھی تبدیل ہو گئی۔ اب ہم جس منزل کی طرف رواں دواں  
تھے وہ منزل غیب میں چلی گئی اور ہمارے پاس باقی کیا رہا؟۔ ٹوٹنا اور ٹوٹ کر قدم  
اٹھانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کروڑ آدمیوں میں صرف ایک آدمی ایک قدم اٹھاتا ہے  
جو صحیح سمت میں اٹھتا ہے اور پیچھے نہیں ہٹتا۔ واضح رہے کہ یہ تذکرہ یقین اور شک  
کی درمیانی راہوں کا ہے۔ اب رہی اکثریت کی بات تو اس کے دماغ کا محور وہم اور  
شک پر ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہمہ وقت عمل



کرتا رہتا ہے۔ جس قدر اس میں شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں (CELLS) میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگی۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔ کسی چیز پر انسان کا یقین کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا فریب کو جھٹلانا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان جو کچھ ہے خود کو اس کے خلافت پیش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفروضہ خوبیاں بیان کرتا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔

آدمی جس معاشرے میں تربیت پا کر جوان ہوتا ہے

## معاشرہ اور عقیدہ

وہ معاشرہ اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ اس کا ذہن

اس قابل نہیں رہتا کہ اس عقیدے کا تجزیہ کر سکے۔ چنانچہ وہ عقیدہ یقین کا مقام حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ محض فریب ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہم بتا چکے ہیں کہ آدمی جو کچھ خود کو ظاہر کرتا ہے حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

اس قسم کی زندگی گزارنے میں اسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایسی مشکلات

جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا

عمل تلف ہو جائے گا اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ بعض اوقات یہ شک یہاں تک بڑھ

جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے اور اگر تلف نہیں

ہو رہی تو سخت خطرے میں ہے۔ اور یہ سب کچھ ان دماغی خلیوں کی وجہ سے ہے

جن میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہی ہے۔

جب آدمی کی زندگی وہ نہیں ہے جسے وہ گزار رہا ہے یا جسے وہ پیش کر رہا ہے

تو جس پر اس کا عمل ہے، وہ اس عمل سے وہ نتائج برآمد کرنا چاہتا ہے جو اس کے خواہ

ہوں لیکن دماغی خلیوں کی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ اور رد و بدل قدم قدم پر اس کے عملی راستوں کو بدلتی رہتی ہے۔ اور وہ یا تو بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں یا ان سے نقصان پہنچتا ہے یا ایسا شک پیدا ہوتا ہے جو قدم اٹھانے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آدمی کے دماغ کی ساخت و اصل اس کے اختیار میں ہے۔ ساخت سے مراد دماغی خلیوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ، اعتدال میں ٹوٹ پھوٹ یا کم ٹوٹ پھوٹ ہونا ہے۔ یہ محض اتفاقہ امر ہے کہ دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو جس کی وجہ سے وہ شک سے محفوظ رہتا ہے لیکن جس قدر شک اور بے یقینی دماغ میں کم ہوگی اسی قدر آدمی کی زندگی کامیاب گزرے گی اور جس مناسبت سے شک اور بے یقینی کی زیادتی ہوگی، زندگی ناکامیوں میں بسر ہوگی۔

## دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ | آدمی کی بد قسمتی یہ ہے کہ اس نے اللہ کے عطا کئے ہوئے علوم کو

خود ساختہ اور غلط بنیادوں پر پرکھا اور ان سے انکاری ہو گیا۔ اللہ نے ہر علم کی بنیاد روشنی کو قرار دیا ہے۔ آدمی کو چاہیے یہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنیوں کی قسمیں اور روشنیوں کا طرز عمل معلوم کرتا لیکن اس نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی اور یہ چیز ہمیشہ پردے میں رہی۔ آدمی نے اس پردے میں جھانکنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ یا تو اس کے سامنے روشنیوں کا کوئی پردہ موجود ہی نہیں تھا یا اس نے روشنیوں کے پردے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی۔ وہ یہ قاعدے معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا جو روشنیوں کے خدایاں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرتا تو اس کے دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی

تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا اور شکوک سے اتنا پریشان نہ کرتے جتنا کہ اب اسے پریشان کئے ہوئے ہیں۔ اس کی تحریکات میں جو عملی رکاوٹیں واقع ہوئی ہیں وہ کم سے کم ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا اس نے روشنیوں کی قسمیں معلوم نہیں کیں، نہ روشنیوں کی طبیعت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیاں بھی طبیعت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی موجود ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ روشنیاں ہی اس کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ مرنے کے پتلے سے واقف ہے۔ اس پتلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے۔ جس کو اللہ نے بڑی ہوئی مٹی سے بنایا ہے۔ اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ حقیقت جو اللہ نے روح کی شکل میں پھونکی ہے۔

روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ کے اس بیان سے منخرت کرتی ہے۔ جہاں تک انحراف واقع ہوتا ہے وہاں تک وہم اور شک بڑھتا ہے، ایمان اور یقین ٹوٹ جاتے ہیں۔

ماہر روحانیت یقین کی تعریف اس طرح کرتے ہیں :

"یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو۔"

ارادہ یا یقین کی کمزوری و اصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے جب تک خیالات میں تذبذب رہے گا، یقین میں کبھی بھی سختگی نہیں آئے گی۔ منطہ ہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں۔ کیوں کہ کوئی خیال یقین کی روشنیاں حاصل کر کے منظر بنتا ہے۔

## مذہب

مذہب ہمیں یقین کے اس پیٹرن (PATTERN) میں داخل کر دیتا ہے جہاں شک و شبہات اور وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنی باطنی نگاہ سے غیب کی دنیا اور غیب کی دنیا میں موجود چلتے پھرتے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے۔ غیب کی دنیا کے مشاہدات سے بندے کا اپنے رب کے ساتھ ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ خالق کی صفات کو اپنے اوپر محیط دیکھتا ہے۔ روحانی نقطہ نگاہ سے اگر کسی بندے کے اندر باطنی نگاہ متحرک نہیں ہوتی تو ایمان کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا۔ جب کوئی بندہ ایمان کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کی طرز فکر میں سے تخریب اور شیطنت نکل جاتی ہے۔ اور اگر بندے کے اوپر یقین (غیب کی دنیا) منکشف نہیں ہے تو ایسا بندہ ہر وقت تخریب اور شیطنت کے جال میں گرفتار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بے شمار ایجادات اور لامتناہی آرام و آسائش کے باوجود ہر شخص سکون پریشان اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ سائنس چوں کہ میٹر (MATTER) پر یقین رکھتی ہے اور میٹر عارضی اور فکشن (FICTION) ہے، اس لئے سائنس کی ہر ترقی، ہر ایجاد اور آرام و آسائش کے تمام وسائل عارضی اور فنا ہونے والے ہیں۔ جس شے کی بنیاد ہی ٹوٹ پھوٹ اور فنا ہو، اس سے کبھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مذہب اور لامذہب میں یہ بنیادی فرق ہے کہ لامذہبیت انسان کے اندر شکوک و شبہات، وسوسے اور غیر یقینی احساسات کو ختم دیتی ہے۔ جب کہ مذہب تمام احساسات، خیالات، تصورات اور زندگی کے اعمال و حرکات کو ایک قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔



سائنسی نظریہ | سائنس دان جس مادہ کی نظریے کی تشریح کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا عملی مظاہرہ

(DEMONSTRATION) نہ ہو اُسے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ سائنس دان بہت کچھ جاننے کے باوجود یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مادہ کی خول میں بند ہو کر خود اپنے نظریے کی نفی کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا غیب جو آنکھ سے نظر نہ آئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب کہ ان کی ساری ترقی کا دار و مدار نظر نہ آنے والی روشنی پر ہے۔

بانیِ قلندر شعور، ابدال الحق، حسنِ آخری محمدِ عظیم بر خیا قلندر یا بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روحانی اقدار سے متعلق جتنے علوم ابھی تک زیرِ بحث آئے ہیں ان سب علوم میں کائنات جو مظاہر میں اہمیت رکھتی ہے وہ بعد کی چیز ہے، پہلے مخفی اور غیب کو زیرِ غور لایا جاتا ہے اور مخفی اور غیب ہی کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر مخفی اور غیب سمجھنے میں آسانی ہو جائے تو مظاہر کی طرح بنتے ہیں، مظاہر کے بننے اور تخلیق ہونے کے قوانین کیا ہیں یہ ساری باتیں آہستہ آہستہ ذہن میں آنے لگتی ہیں۔ اور فکر اس کو اسی طرح محسوس کرتی ہے جس طرح بہت سی باتیں جو انسان کے تجربے میں نو عمری سے ہوش کے زلزلے تک آتی رہتی ہیں ان میں ایک خاص طرح کا ارتباط رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو جو غیب سے متعلق ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہت سے نام دیئے ہیں اور انبیاء نے ان ناموں کا تذکرہ کر کے ان کے اوصاف کو عوام کے سامنے پیش کیا ہے قرآنِ پاک سے پہلے کی کتابیں بھی ان چیزوں پر روشنی ڈالتی ہیں لیکن ان کتابوں میں جستہ جستہ تذکرے ہیں۔ زیادہ تفصیلات قرآنِ پاک میں ملتی ہیں۔ قرآنِ پاک کی

تفصیلات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیب مظاہر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ غیب کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ مذہب یا دین جس چیز کو کہتے ہیں وہ غیب ہی کے BASE پر منحصر ہے۔ مظاہر کا تذکرہ مذہب میں ضرور آتا ہے لیکن یہ ثانویت رکھتا ہے۔ اس کو کسی دور میں اولیت حاصل نہیں تھی۔ مادی دنیا سے کتنی ہی اولیت دے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ بھی اس ہی طرز پر سوچنے لگی ہے۔ مثلاً موجودہ دور کے سائنس دان بھی غیب کو اولیت دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ وہ کسی چیز کو فرض کرتے ہیں۔ فرض کرنے کے بعد پھر نتائج اخذ کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور جب نتائج اخذ کرتے ہیں تو وہ ان تمام چیزوں کو حقیقی، لازمی اور یقینی قرار دیتے ہیں جیسا کہ بیسویں صدی میں ایکٹران کا کردار زیر بحث ہے۔ ایکٹران کے بارے میں سائنس دانوں کی ایک ہارائے ہے کہ وہ بیک وقت AS A PARTICLE اور AS A WAVE کرتا ہے۔ اب غور طلب یہ ہے کہ جو چیز محض مفروضہ ہے وہ بیک وقت دو طرز پر عمل کرے اور اس کے عمل کو یقینی تسلیم کیا جائے۔ وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ایکٹران کو نہ آج تک دیکھا گیا ہے اور نہ آئندہ اس کو دیکھنے کی امید ہے لیکن ساتھ ہی وہ ایکٹران کو اپنی ٹھوس حقیقت تسلیم کرتے ہیں جتنی ٹھوس کوئی حقیقت اب تک نوع انسانی کے ذہن میں آسکی ہے۔ نوع انسانی جس حقیقت سے اب تک روشناس ہو سکی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صرف مفروضہ ان کے ذہن میں ہے اور مفروضہ سے چل کر وہ اس نتیجے پر ایسی منزل تک پہنچ جاتے ہیں جس منزل کو اپنے لئے ایجادات اور بہت زیادہ اہمیت کی اور کامیاب کی منزل قرار دیتے ہیں۔ اس اہم منزل کو وہ نوع انسانی کے عوام سے روشناس کرتے

کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جن حقائق کو وہ ایک مرتبہ حقائق کہہ کر پیش کر چکے ہیں چند سال کے بعد یا زیادہ مدت کے بعد وہ ان حقائق کو رو کر دیتے ہیں۔ اور زور دکر کہ ان کی جگہ نئے طور اطور نئے فارمولے لے آتے ہیں۔ اور ان نئے فارمولوں کو پھر ان ہی حقائق کا مرتبہ دیتے ہیں جن حقائق کا مرتبہ پہلے وہ ایک حد تک برہا برس کسی بھی ایک روشدہ چیز کو دے چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ غیب کی دنیا ان کے لئے اولیت رکھتی ہے حالانکہ وہ محض مادہ پرست ہیں اور خود کو مادیت کی دنیا کا پرستار کہتے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا غیب کی دنیا کوئی چیز ہے یا کوئی اولیت رکھتی ہے یا اس کے کوئی معنی ہیں یا قابل تسلیم ہے یا اس کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس قسم کے تصورات جن کو مادیت کہنا چاہیے ان کے ارد گرد ہمیشہ جمع رہتے ہیں اور غیب کبھی کسی غیب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ جب تک کوئی DEMONSTRATION نہ کیا جائے اس وقت تک ہم کسی غیب سے متعارف ہو سکتے ہیں، نہ کسی غیب سے متعلق یقین کرنے کو اور یہ سمجھنے کو کہ غیب کوئی خبر ہو سکتا ہے ہم تیار ہیں یا یہ کہ ہم سائنس کی دنیا میں نظر یہ غیب کو یا غیب کے تذکرے کو کوئی جگہ دینے کے لئے آمادہ ہیں۔ بہر کیفیت وہ جس طرح بھی کہتے ہیں یہ تو صرف طرز فکر ہے اور طرز گفتگو ہے لیکن عملی دنیا میں اور گفتگو کی عملی منزل میں وہ اسی مقام پر ہیں جس مقام پر کہ ایک آدمی غیب پر یقین کرنے والا اللہ کی ذات کو پیش کرتا ہے اور ان تمام کھنسیوں کو تسلیم کرتا ہے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے اور وہ ایجنسیاں جو شرط ایمان ہیں اور کسی ایسے شخص پر جو اللہ کو مانتا ہے اپنا تسلط رکھتی ہیں اور ان تمام کھنسیوں اور ان تمام

ہستیوں کو وہ ایسی زندہ حقیقت اور ایسی ٹھوس معنویت تسلیم کرتا ہے جیسے کہ  
 مادہ پرست کسی پتھر کی یا معدنی یا کسی ایسے مظاہر کے متعلق چیز کو تسلیم کرتے ہیں جو  
 ان کے سامنے بطور مشاہدے کے ہمہ وقت موجود رہتی ہے اور جس کو یہ چھوٹے، چمکتے،  
 دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں تغیر ہے، اس میں توازن  
 ہے، اس میں ایک امتزاج ہے، اس میں تاثر ہے، اس میں قوت ہے اور جس  
 قسم کی چیز وہ مادیت کی دنیا میں دیکھتے ہیں ان تمام چیزوں کا وہ اسی طرح تذکرہ  
 کرتے ہیں اور ان پر ایک خاص طرز سے ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ  
 کہنا چاہتا ہوں کہ ایک خدا کا پرستار جس طرح غیب پر ایمان رکھتا ہے بالکل اسی طرح  
 مادے کا پرستار مادیت کی دنیا پر یقین رکھتا ہے۔ نہ خدا پرست کو غیب کی دنیا پر ایمان  
 رکھے بغیر چارہ ہے اور نہ مادیت پرست کو مادہ پر ایمان لائے بغیر مفر ہے۔ دونوں  
 ایک نہ ایک طرز رکھتے ہیں اور ان میں یہ چیز مشترک ہے کہ اس طرز پر ان کا ایمان  
 اور ایقان ہوتا ہے۔ اسی ایمان و ایقان کو یہ زندگی کہتے ہیں۔ اصل میں کہنے کی بات  
 یہ ہے کہ کوئی زندگی بغیر ایمان و ایقان کے ناممکن ہے خواہ کسی خدا پرست  
 کی زندگی ہو یا مادہ پرست کی۔



# تخلیق فارموں کے

ہم جب اللہ کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ باوجود اس کے کہ میٹر (MATTER) ایک ہے، تخلیقی قاعدے، ضابطے اور طریقے ایک ہیں، مخلوق کے اندر بھی تقاضے یکساں ہیں، عقل و شعور سب میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ کسی میں شعور زیادہ ہے، کسی میں کم ہے، کسی میں بہت کم ہے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر تخلیق کی انفرادیت اپنی جگہ قائم ہے۔ انفرادیت کے دو رُخ ہیں۔ ایک رُخ اجتماعی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا رُخ الگ اور منفرد شخصیت کے روپ میں موجود ہے۔ اجتماعی رُخ کو ہم "نوع" کا نام دیتے ہیں اور انفرادی رُخ کو ہم "فرد" کہتے ہیں۔ ہر نوع کا ہر فرد الگ ایک حیثیت، شکل و صورت، رنگ و روپ اور نقش و نگار رکھتا ہے۔ طوطے کی نوع کے تمام افراد کی شکل ایک ہے۔ کبوتر کی نوع کے افراد کی شکل و صورت ایک ہے۔ اسی طرح اللہ کی تخلیق بھی مختلف مخلوقات ہیں وہ نوعی اعتبار سے جو شکل و صورت رکھتی ہیں وہی شکل و صورت انفرادی ہے۔ یہ بات ایسی ہے کہ اس میں زیادہ تفکر اور تدبیر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانی مشاہدات ہر وقت اس صورتِ حال سے آشنا ہیں۔

نوعی تنوع پر غور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ نوع کا مختلف ہونا اس بات کی علامت ہے کہ نوع کے خدو خال میں معین صفت دریں کام کر رہی ہیں۔ بکری کی نوع

میں اللہ نے جو معین مقداریں رکھ دی ہیں وہ جب متحرک ہوتی ہیں تو اس کے نتیجے میں بکری کی تخلیق ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بکری کے پیٹ سے کوئی بکری پیدا ہو جائے۔ یہ معین مقداریں نہ صرف زمین کے اوپر موجود مخلوق میں نظر آتی ہیں بلکہ کائنات کی ہر تخلیق کے ہر جزو میں یہ مقداریں کام کر رہی ہیں۔ ان مقداروں کا اہم کام یہ ہے کہ جب آپس میں رد و بدل ہوتی ہیں یا ان کا آپس میں ایک دوسرے کے اندر انجذاب ہوتا ہے تو مختلف رنگ اختیار کرتی ہیں اور یہ رنگ ہمارا اصل کسی نوع کے خدو خال بن جاتے ہیں۔

فلندربابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے تخلیقی فارمولوں کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"کائنات میں موجود تمام مادی اجسام لاشمار رنگوں میں سے متعدد رنگوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ یہ رنگ نسمہ کی مخصوص حرکات سے وجود میں آتے ہیں۔ نسمہ (AURA) کی معین طوالت حرکت سے ایک رنگ بنتا ہے۔ دوسری طوالت حرکت سے دوسرا رنگ۔ اس طرح نسمہ کی لاشمار طوالتوں سے لاشمار رنگ وجود میں آتے رہتے ہیں۔ ان رنگوں کا عددی مجموعہ ہر نوع کے لئے الگ الگ معین ہے۔ اگر گلاب کے لئے رنگوں کا عددی مجموعہ "الف" معین ہے تو "الف" عددی مجموعہ سے ہمیشہ گلاب ہی وجود میں آئے گا۔ کوئی اور شے وجود میں نہیں آئے گی۔ اگر آدمی کی تخلیق رنگوں کی 'بحیم' تعداد سے ہوتی ہے تو اس مقدار سے دوسرا حیوان نہیں بن سکتا۔ صرف نوع انسانی ہی کے افراد وجود میں آسکتے ہیں۔

عالم رنگ میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں وہ سب رنگین روشنیوں کا مجموعہ ہیں۔

ان ہی رنگوں کے ہجوم سے وہ شے وجود میں آتی ہے جس کو عرف عام میں "مادہ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کہ مادہ کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے، اگر اس کو شکست و رخت کر کے انتہائی مقداروں تک منتشر کر دیا جائے تو محض رنگوں کی بے درگاہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔ اگر بہت سے رنگ لے کر پانی میں تحلیل کر دیے جائیں تو ایک تھاکی مرکب بن جائے گا جس کو ہم مٹی کہتے ہیں۔ گھاس، پودوں اور درختوں کی جڑوں میں پانی کی مدد سے مٹی کے ذرات کی شکست و رخت کر کے ان ہی رنگوں میں اپنی نوع کے رنگ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ تمام رنگ پتی اور پھول میں نمایاں ہوجاتے ہیں۔ تمام مخلوقات اور موجودات کی مظہری زندگی اس ہی کیمیائی عمل پر قائم ہے۔

**رنگوں کی تعداد گیارہ ہزار ہے** | میٹر ایک ہے۔ ڈائیاں مختلف ہیں

ڈائیاں میٹر کو اپنے اندر محفوظ کر کے اس طرح متحرک کرتی ہے کہ میٹر مختلف اور معین مقداروں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ جب یہ معین مقدار میں ایک دوسرے میں مل کر جذب ہوتی ہیں تو کوئی ایک رنگ بنتا ہے اور جب ایک رنگ دوسرے رنگ میں جذب ہوتا ہے تو تیسرا رنگ بنتا ہے۔ نتیجے میں بے شمار رنگ وجود میں آتے ہیں۔ اور یہ بے شمار رنگ ہی اللہ کی کائنات ہیں۔

**آدمی کے اندر بجلی کا بہاؤ** | بحیثیت مجموعی کائنات میں جو رنگ فلینڈر شور سے نظر آتے ہیں ان کی تعداد تقریباً ساڑھے

گیارہ ہزار ہے جب کہ سائنس دان اب تک تقریباً ساڑھے سے زیادہ رنگ دریافت کر سکے ہیں اور عام حالات میں جب رنگوں کا تذکرہ آتا ہے تو ان کی تعداد





قلند شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی قارئینوں کے تحت اپنے اندر ہر قسم کی غیر مرئی (INVISIBLE) صلاحیتوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے متحرک کر سکتے ہیں۔ ایک آدمی جب اپنے اندر دور کرنے والی بجلی یا سمہ (AURA) سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ بجلی کے بہاؤ کو روک بھی سکتا ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا ذخیرہ بھی کر سکتا ہے اور اس ذخیرہ سے ماورائی دنیا میں بغیر کسی وسیلے کے پرواز بھی کر سکتا ہے۔ ایک ٹیسٹ کے ذریعے کے بعد اس کے اندر ایسی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے آسمان اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی زمین کی طرح کہکشاں میں بے شمار زمینیں آجاتی ہیں۔ جس طرح وہ اپنی زمین پر آباد اللہ کی مخلوق کو دیکھتا ہے اسی طرح کھربوں دنیاؤں کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔

قلند شعور جب بیدار ہوتا ہے تو وہ یہ دیکھ لیتا ہے، جان لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اس دنیا کی طرح اور بھی بے شمار دنیا میں موجود ہیں اور ہر دنیا ہماری دنیا جیسی ہے۔ جس طرح ہماری دنیا پر آدمی آباد ہیں اسی طرح دوسری دنیاؤں میں بھی آدمی بستے اور رہتے ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں افزائش نسل کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح دوسری دنیاؤں میں بھی شادیاں ہوتی ہیں اور اولادیں پیدا ہوتی ہیں جو نیک اس دنیا میں اور اس دنیا سے باہر بے شمار دنیاؤں میں بجلی خور و نوش، رہن سہن، کھیتی باڑی، کاروبار اور مزاجینا سب موجود ہے۔

وقت کی لہنی | کسی آدمی کے اندر پرواز کی صلاحیتوں کا انحصار بجلی کے ذریعے کے اوپر ہے۔ جتنا زیادہ ذخیرہ موجود ہوتا ہے اسی نسبت

آدمی ٹائم سپیس کی فہمی کرنے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ ایک منٹ کے وقفے میں آدم زاد نے بغیر کسی مادی وسائل کے کئی سال کا سفر طے کر لیا۔

غوث علی شاہ قلندر فرماتے ہیں کہ ایک شخص شاہ عبدالعزیز رحم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لباس کے اعتبار سے وہ شاہی ہند سے دار معلوم ہوتا تھا۔ شاہ صاحب سے کہنے لگا کہ حضرت میری سرگزشت اتنی عجیب و غریب ہے کہ کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اس معاملے میں میری عقل بھی کام نہیں کرتی۔ حیراں ہوں کہ کیا کہوں، کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ جو حکم فرمائیں بجالاؤں گا۔ اس شخص نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا:

"میں لکھنؤ میں رہتا تھا۔ برسوں روزگار تھا اور حالات اچھے گزر رہے تھے کہ قسمت نے پلٹا لکھایا۔ معاشی حالات خراب ہوتے گئے اور زیادہ وقت بے کاری میں گزرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ بیرون شہر حصول معاش کی کوشش کی جائے۔ تھوڑا سا زاد راہ ساتھ لیا اور اوجھے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ریواڑی کے مقام پر قیام کیا۔ اس زمانے میں وہ جگہ ویران پڑی تھی۔ صرف ایک سرائے آباد تھی۔ سرائے میں کچھ کسبیاں رہتی تھیں۔ میں سرائے میں متفکر بیٹھا تھا کہ کیا کیا جائے۔ پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔ ایک کسبی آئی اور کہنے لگی کہ صاحب! کھانا تیار ہے، کھانا لاؤں؟ میں نے کہا، ابھی سفر کی تھکان ہے۔ تھکا ساستالوں۔ تھکن دور ہونے پر کھانا کھاؤں گا۔ یہ سن کر وہ چلی گئی۔ وہ کچھ دیر بعد آئی اور وہی سوال کیا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا اور وہ چلی گئی۔ پتھری مرتبہ آکر پوچھا

تو میں نے سب کچھ بتا دیا کہ میرے پاس جو کچھ تھا وہ خرچ ہو گیا۔ اب ہتھیار اور گھوڑا بیچنے کی نوبت آگئی ہے۔ وہ خاموش ہو کر چلی گئی۔ پھر سٹ روپے لاکر مجھے دیئے اور کہا کہ یہ روپے میں نے چرنہ کات کر اپنے کفن و دفن کے لئے جمع کئے ہیں۔ یہ میں آپ کو بطور قرض مسترد دیتی ہوں۔ جب اللہ آپ کو دے تو ادا کر دیجئے گا۔

میں نے روپے لئے اور راستے میں خرچ کرتا ہوا اُدوسے پور جا پہنچا وہاں اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ فوراً ایک شاہی نوکری مجھے مل گئی۔ مالی اعتبار سے خوب ترقی ہوئی اور چند سالوں میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ ان ہی دنوں گھر سے خط آیا کہ لڑکا جوانی کی حد و میں قدم رکھ چکا ہے اور جہاں اس کی نسبت پھرائی گئی ہے وہ لوگ شادی پر امر کر رہے ہیں۔ اس لئے جلد سے جلد آکر اس فریق سے سبک دوش ہو جاؤ۔

راہ سے اجازت لے کر میں اپنے گھر کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں ریواڑی کا مقام آیا۔ پرانے واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے۔ سرائے جا کر کسی کے متعلق معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ سخت بیمار ہے اور چند لمحوں کی مہمان ہے۔ جب میں کسی کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانسیں لے رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی رُوح پرواز کر گئی میں نے تجسّس و تکفین کی اور اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا۔ اس کام سے فارغ ہو کر سرائے میں آکر سو گیا۔ آدھی رات کے وقت پیوں کا خیال آیا۔ دیکھا تو حبیب میں رکھی ہوئی پانچ ہلے سزار کی ہنڈی غائب تھی۔ تلاش کیا مگر نہ ملی۔ سوچا کہ دفن کرتے وقت شاید قبر میں گر گئی ہوگی۔ اس خیال سے قبرستان پہنچا اور قبر کھولنے لگا۔ قبر کے اندر اترا تو ایک عجیب و غریب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں نہ میت تھی نہ ہنڈی

ایک طرف دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ہمت کر کے دروازے کے اندر قدم رکھا تو ایک نئی دنیا سامنے تھی۔ چاروں طرف باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اور ہرے بھرے پھل دار درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ باغ میں ایک طرف ایک عالی شان عمارت بنی ہوئی تھی۔ عمارت کے اندر قدم رکھا تو ایک حسین و جمیل عورت پر نظر پڑی جو شاہانہ لباس پہنے، بناؤ سنگھار کے بیٹھی تھی اور ارد گرد نگار ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عورت نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ میں وہی ہوں جس نے تمہیں دس روپے دیئے تھے۔ اللہ کو میرا یہ عمل پسند آیا اور اس عمل کی بدولت مجھے یہ مرتبہ اور عروج عنایت فرمایا ہے۔ اور یہ تمہاری ہمت ڈی ہے۔ جو قبر میں گر گئی تھی۔ یہ لو اور فوراً چلے جاؤ۔

میں نے اس سے کہا میں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر سیر کرنا چاہتا ہوں۔ عورت نے جواب دیا۔ تم قیامت تک یہاں کی سیر نہیں کر سکتے۔ فوراً چلے جاؤ۔ اس عرصے میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہوگی۔ عورت کی ہدایت پر میں نے عمل کیا۔ باہر نکلا تو عجیب عالم تھا۔ نہ وہاں سرائے تھی اور نہ ہی وہ لوگ تھے جو اس کے قبر کے اندر جاتے وقت موجود تھے بلکہ چاروں طرف شہری آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں سے سرائے کے بارے میں پوچھا لیکن سب نے اپنی لالچی کا اظہار کیا۔ بعض لوگوں سے اپنی روئیداد بیان کی لیکن سب نے مجھے مخبوط الحواس قرار دیا۔ آخر کار مجھے ایک آدمی نے کہا کہ میں تمہیں ایک بزرگ کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ عمر رسیدہ ہیں۔ شاید وہ کچھ بتا سکیں۔ اس بزرگ نے سارا حال سنا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ میرے پرداد ایتنا کرتے تھے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک سرائے موجود



سہتی۔ سرائے میں ایک امیر آکر ٹھہرا تھا اور ایک رات پراسرار طریقے سے غائب ہو گیا پھر اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ میں نے کہا میں ادھی امیر ہوں جو سرائے سے غائب ہوا تھا۔ یہ سن کر وہ بزرگ اور حاضرین محفل بہت حیران ہوئے۔

اتنا بتا کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر شاہ عبدالعزیز سے کہنے لگا اب بتائیے میں کیا کروں، کہاں جاؤں۔ نہ گھر ہے نہ ٹھکانہ۔ دوسرے یہ کہ اس حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعے نے میرے ذہن کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا، تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ صحیح ہے۔ اس عالم اور اس عالم کے وقت کے پیمانے الگ الگ ہیں۔

شاہ صاحب نے اس شخص کو ہدایت کی کہ اب تم بیت اللہ کو چلے جاؤ اور باقی زندگی یاد الہی میں گزار دو۔ پناہ چاہو آپ نے اسے زاہد راہ دے کر روانہ فرما دیا۔

موجودہ علمی اور سائنسی دور نے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ انسان کو اگر کچھ وقفے کے لئے

## آکسیجن اور جسمانی نظام

آکسیجن نہ ملے تو اس کے دماغ میں کام کرنے والے کھریوں خلیوں کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سارا جسم آکسیجن کے اوپر قائم ہے اور سانس کی آمد و شد یا عمل تنفس ہوا سے آکسیجن حاصل کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔

ہواناک یا منہ کے ذریعے جسم میں کھینچی جاتی ہے اور آواز کے خانے (LARYNX) سے گزرتی ہوئی ہوا کی خاص نالی (TRACHEA) میں جاتی ہے اور پھر وہاں سے نالیوں کے ایک نازک نظام میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے

ہوا آگے بڑھتی ہے اور ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے، ان نالیوں کا قطر بتدریج چھوٹا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہوا پھیپھڑوں کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے جہاں تقریباً تین سو ملین ہوا کی تھیلیوں سے گزر کر آکسیجن خون میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگر ہوا کا دباؤ صحیح ہو اور آکسیجن کی مقدار بھی صحیح ہو تو پھر وہ آسانی سے ہوا کی تھیلیوں اور باریک رگوں کی جھلیوں میں سے ہو کر اندر پھیل جاتی ہے۔ جب ہم اندر سانس کھینچتے ہیں تو سینے کی خالی جگہ بڑی ہو جاتی ہے۔ لہذا ہوا تیزی سے اندر چلی جاتی ہے پھر ہم جب سانس باہر نکالتے ہیں تو پھیپھڑوں کا لچک دار نظام ہوا کو باہر پھینک دیتا ہے۔

سانس لینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جسم میں مناسب مقدار میں آکسیجن پہنچتی رہے تاکہ خلیوں میں ننھی ننھی اینگیٹھیاں دہکتی رہیں اور کاربن ڈی آکسائیڈ (CO<sub>2</sub>) خارج ہوتا رہے۔ انسان جب آرام کرتا ہے اس وقت وہ ایک منٹ میں دس سے سولہ بار تک سانس لیتا ہے اور تقریباً ایک پوائنٹ ہوا اندرونی جسمانی نظام میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ جب آکسیجن کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے تو سانس لینے کی رفتار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ عام طور پر سانس کی رفتار اور گہرائی خود بخود دماغ کنٹرول کرتا رہتا ہے۔

قدرت نے انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ حسب ضرورت سانس میں تیزی یا کمی پیدا کر سکتا ہے۔ انسان اگر ذہنی طور پر صحت مند ہے تو بیشتر حالات میں اسے اپنے سانس پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پیرا کی کے دوران جب آدمی غوطہ لگا کر پانی کے نیچے چلا جاتا ہے تو اسے سانس

روکنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور یہ کام وہ آسانی کے ساتھ کر لیتا ہے۔ جب  
 جمالی آتی ہے یا اگر سانس لیا جاتا ہے تو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور جب سانس  
 کی نالی میں کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے تو آدمی بے حد سراپیم ہو جاتا ہے اور اس کا  
 دم گھٹنے لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔ سانس جاری ہے تو  
 زندگی برقرار ہے اور جب سانس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔  
 سانس کا تعلق آکسیجن کے اوپر ہے۔ آکسیجن کا ایک بڑا ذخیرہ دماغ کے  
 ایک مخصوص حصے میں جمع رہتا ہے۔ دماغ کا یہ وہی حصہ ہے جو دل کی دھڑکن اور  
 عمل تنفس کو برقرار رکھتا ہے۔ فی الواقع انسان کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب  
 دماغ کے اندر آکسیجن کا پورا ذخیرہ ختم ہو جائے۔ دل کی حرکت بند ہو جانے سے اگر  
 موت واقع ہو جائے اور دماغ کے اندر آکسیجن کا ذخیرہ موجود رہے تو اس عمل موت  
 کو مرنا نہیں کہتے۔ طبی اصطلاح میں اسے "سکتہ" کہا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ مشاہدے کی  
 بات ہے کہ بیمار کو نازک حالت میں آکسیجن دی جاتی ہے اور اس طرح بڑی سے بڑی  
 بیماری پر عارضی طور پر سہی، مگر غلبہ حاصل کر لیا جاتا ہے۔ حسن الخالقین اللہ نے ہمارے  
 پھیپھڑوں کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ تمام جسم کا خون تین منٹ میں پھیپھڑوں کے  
 راستے آکسیجن لے کر واپس جسم میں چلا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر تین منٹ کے  
 بعد جسم میں دور کرنے والا خون آکسیجن لینے کے لئے دوبارہ پھیپھڑوں میں آ جاتا ہے۔  
 ہم جب سانس اندر لیتے ہیں تو ہوا میں کیس فی صد آکسیجن ہمارے اندر چلی جاتی  
 ہے اور جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو آکسیجن خرچ ہونے کے بعد تقریباً بارہ  
 فی صد رہ جاتی ہے۔ مشق کے ذریعے اگر دماغ کے اندر آکسیجن کا ذخیرہ کر لیا جائے

اور روحانی طور پر رزوں میں اس ذخیرے کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی سیکھ لیا جائے تو اپنے ارادے اور اختیار سے دل کی دھڑکن اور عمل تنفس کو بند کر کے آدمی مہینوں تک زندہ رہ سکتا ہے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے دلوں، ہفتوں اور مہینوں کی عارضی موت سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

## دو سو سال کی نیند

ایک بہروپیا تھا۔ ہمیشہ نیا بہروپ بنا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تاکہ بادشاہ کو مغالطہ میں رکھ کر

انعام میں گھوڑا اور جوڑا حاصل کرے۔ مگر بادشاہ اس کے بہروپ سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ بہروپیا ایک یوگی کے پاس گیا اور اس سے جس دم دسائے پر کنٹرول حاصل کرنے کی مشق سیکھا اور پھر یوگی بن کر اپنے شہر کے مضافات میں قیام کیا۔ ایک چھوٹا سا گنبد بنایا اور چند چیلے جمع کئے اور جس دم کر کے بیٹھا گیا۔ اور گنبد کا دروازہ اس خیال سے بند کر دیا کہ جب بادشاہ کو خبر ہوگی کہ ایک یوگی اتنی مدت سے گنبد میں بند ہے تو بادشاہ یہاں آکر گنبد کھلوائے گا۔ چیلے مجھے جس دم کے فارمولے کے مطابق زندہ کر دیں گے۔ اور میں گھوڑا اور جوڑا انعام میں لے لوں گا۔ خدا کی قدرت کہ چند روز میں انقلاب آگیا۔ تہ بادشاہ رہا تہ سلطنت رہی۔ شہر بھی برباد ہو گیا۔ چیلے مر کھپ گئے اور گنبد بند کا بند ہی رہا۔ دو سو سال کے بعد شہر دوبارہ آباد ہوا۔ کسی شخص نے یہ دیکھنے کے لئے کہ گنبد کے اندر کیا ہے، گنبد کو کھلوا یا۔ دیکھا کہ گنبد کے اندر ایک صحیح و سالم پورے جسمانی خدو و خال کے ساتھ آدمی مراقبہ میں بیٹھا ہے۔ لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ اس ہجوم میں ایک یوگی بھی تھا۔ اس نے مراقبہ شخص کو پہچان لیا اور جس دم کے قاعدوں کے مطابق عمل کیا اور دل کی دھڑکن



شروع ہو گئی۔ ہوش و حواس بحال ہو گئے۔ جیسے ہی وہ آدمی ہوش و حواس میں آیا بولا، لاؤ میرا گھوڑا اور جوڑا۔ لوگ پیرت کے ساتھ ایک دوسرے کو تکنے لگے اور کہنے لگے یا الہی یہ کیا ماہر ہے۔ یہ شخص کوئی پاگل ہے، مجنون ہے یا اس کو ہذیان یا خفقان ہو گیا ہے۔ اس بہروپے نے کہا کہ میں نے جس دم کا پیمبل فلاں بادشاہ کے زمانے میں فقط گھوڑا اور جوڑا لینے کے لئے کیا تھا۔

**سائنس کے دو رخ** | تخلیقی قارئینوں کا علم رکھنے والے بندے یہ جانتے ہیں کہ کائنات اور کائنات کے اندر تمام

منظاہرات کی تخلیق دو رخ پر کی گئی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں سائنس کے دو رخ متعین ہیں۔ ایک رخ یہ ہے کہ آدمی اندر سائنس لیتا ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ سائنس باہر نکالا جاتا ہے۔ گہرائی میں سائنس لینا صعودی حرکت ہے۔ اور سائنس کا باہر آنا نزولی حرکت ہے۔ صعود اس حرکت کا نام ہے جس حرکت میں تخلیق کا ربط براہ راست خالق کے ساتھ قائم ہے اور نزول اس حرکت کا نام ہے جس میں تیرہ غیب سے دور ہو جاتا ہے اور ٹائم اسپیس کی گرفت اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

جب کچھ نہ تھا، اللہ تھا۔ اللہ نے چاہا اور ساری کائنات تخلیق ہو گئی۔ کلیہ یہ بنا کہ تخلیق کی بنیاد اللہ کا چاہتا ہے۔ اللہ کا چاہنا اللہ کا ذہن ہے یعنی کائنات اور ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔ قانون یہ ہے کہ شے کی وابستگی اصل سے برقرار نہ رہے تو وہ شے قائم نہیں رہتی۔ اس وابستگی کا قیام مظاہراتی خدو خال میں صعودی حرکت سے قائم ہے۔ اور صعودی حرکت اندر سائنس لینا ہے۔

اس کے برعکس ہمارا جسمانی تشخص بھی ہے۔ اس جسمانی اور مادی تشخص کی بنا زولی حرکت ہے۔

**توانائی اور روح** کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ہر لمحہ اور ہر آن ایک سرکل میں سفر کر رہے ہیں اور کائنات میں ہر لمحہ ایک

دوسرے سے آشنا اور متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ خیالات پر مبنی ہے۔ سائنس نے آپس میں اس تبادلہ خیال اور رشتہ کو توانائی کا نام دیا ہے۔ سائنس کی رو سے کائنات کی کسی شے کو خواہ وہ مرئی (VISIBLE) ہو یا غیر مرئی

(INVISIBLE) کہتے فنا نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مادہ مختلف ڈائیوں میں نقل مکانی کر کے توانائی بن جاتا ہے اور توانائی روپ بدل بدل کر سامنے آتی رہتی ہے۔ مکمل موت کسی پر بھی وارو نہیں ہوتی۔ روحانیت میں اسی توانائی کو روح کا نام

دیا گیا ہے۔ روح کو جو علم و ذہنیت کر دیا گیا ہے، وہی علم خیالات، تصورات اور احساسات بنتا ہے۔ یہ خیالات اور تصورات لہروں اور شعاعوں کے دوش پر ہمہ وقت ہر آن اور ہر لمحہ مصروف سفر رہتے ہیں۔ اگر ہمارا ذہن ان لہروں کو پڑھنے

اور ان کو حرکت دینے پر قدرت حاصل کرے تو ہم کائنات کے تصویروں میں خیالات کے رو و بدلنے سے وقوف حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن جب تک کائنات کی

گتہ سے ہم باخبر نہیں ہوں گے، کائنات کے قلب میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ کائنات اور آسمان دنیا میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سائنس کے اس رخ پر کنٹرول حاصل کر لیں جس رخ پر صغیر حرکت کا قیام ہے۔

سائنس کا گہرائی میں جانا لا شعور ہے اور سائنس کا گہرائی سے مظاہراتی سطح پر آنا

شعور ہے۔ شعوری زندگی حرکت میں ہوتی ہے تو لا شعوری زندگی پردے میں چلی جاتی ہے اور لا شعوری زندگی میں شعوری حرکات مغلوب ہو جاتی ہیں۔ اس قانون کے باخبر ہونے کے لئے شعوری اور لا شعوری دونوں تحریکات کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ذہن کی پراسرار قوتیں اسی وقت کام کرتی ہیں جب ذہن سانس کی صعودی حرکت کا احاطہ کرے۔ ایسا ہو جانے سے ہمارے اندر مرکزیت اور توجہ کی صلاحیتیں بروئے کار آجاتی ہیں۔

یاد رکھیے! ہمارے اندر (INNER) میں نصب شدہ اینٹینا (ANTE-  
-NNA) اس وقت کچھ نشر کرنے یا قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے جب ذہن میں توجہ اور مرکزیت کی صلاحیتیں دانشمندانہ مقدار میں موجود ہوں۔ ان صلاحیتوں کا ذخیرہ اس وقت فعال اور متحرک ہوتا ہے جب ہم اپنی تمام تر توجہ یکسوئی اور صلاحیتوں کے ساتھ صعودی حرکت میں ڈوب جائیں۔

# زندگی میں سانس کا عمل مثل

ماورائی علوم سیکھنے کے لئے مضبوط اعصاب اور طاقتور دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اعصاب میں لچک پیدا کرنے، دماغ کو متحرک رکھنے اور قوت کارکردگی بڑھانے کے لئے سانس کی مشقیں بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔ قلندر شعور کا مسافر جب سانس کی مشقوں پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو دماغ کے اندر ریشوں اور خلیوں کی حرکات اور عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ انر (INNER) میں سانس روکنے سے دماغ کے خلیات چارج ہو جاتے ہیں جو انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار ہونے، ابھرنے اور پھلنے پھولنے کے بہترین مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ماہرین روحانیت نے سانس کی مشقوں کے قاعدے اور طریقے بنائے ہیں۔ اگر ان طریقوں پر عمل کیا جائے تو بہت سارے روحانی اور جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ زندگی کا دار و مدار سانس کے اوپر ہے۔ انسانی زندگی میں وہم، خیال، تصور، ادراک، احساس سب اس وقت تک موجود ہیں جب تک سانس کا سلسلہ جاری ہے۔ سانس کے ذریعے ہی آدمی کے اندر صحت بخش لہریں منتقل ہوتی ہیں اور سانس کے ذریعے ہی آدمی فضا میں پھیلی ہوئی کثافت و صواں اور گرد و غبار سے پاک ہوا کو سانس کرتا ہے۔ صاف اور کھلی فضا میں بیٹھ کر سانس اندر لیتے وقت اگر یہ تصور کیا جائے کہ فضا میں سے صحت اور توانائی کی لہریں میرے اندر



بارہی ہیں اور جسم میں جذب ہو رہی ہیں تو واقعتاً ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ سانس کی مخصوص  
مشقیں دراصل دوران خون کو تیز کرتی ہیں۔ دماغی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں اور  
برائے نکتہ جذبات کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔ اور کسی بہت عمدہ مصفی خون دوا کی طرح خون کو  
صاف کرتی ہیں۔ سانس کی مشقوں سے آدمی تقریباً اپنی ہر بیماری کا علاج کر سکتا  
ہے مثلاً نسیان کا مرض، پیٹ کے جملہ امراض، معدے اور آنتوں میں اسر، قبض،  
سنگ رہی، نزلہ زکام، سردرد، مرگی اور دوسرے قسم کے دماغی دورے، بیانی  
کی کمزوری وغیرہ وغیرہ۔ سانس کی مشقوں کو علاج کے قاعدوں کے مطابق اگر  
پابندی وقت کے ساتھ انجام دیا جائے تو سینہ، گلے، ناک وغیرہ کے امراض بھی از خود  
ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ساٹھ ستر سال کے بوڑھے لوگ جنہوں نے سانس  
کی کسی منتخب مشق کو اپنا معمول بنا لیا ہے، ہشاش بشاش اور نوجوانوں کی طرح ترو  
تازہ رہتے ہیں۔ آخری وقت میں ان کی کھال بھریوں سے محفوظ رہتی ہے۔ پڑھو گی اور  
افسردگی ان کے قریب نہیں چھلکتی۔ جو حضرات استاد کنگرانی میں سانس کی مشق پابندی  
وقت کے ساتھ کرتے ہیں، ان کے اندر انتقال خیال (TELEPATHY) کی ایسی  
قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دور دراز فاصلوں پر اپنے احکامات پہنچا دیتے ہیں۔ میرا اپنا  
ایک ذاتی واقعہ سنئے۔ قلندر شعور کے بابی قلندر بابا اولیاء کی نگرانی میں سانس کی مشق  
کے دوران ایک روز مجھے یہ خیال آیا کہ جب زندگی کا دار و مدار سانس کے اوپر ہے  
اور زمین پر موجود ہر چیز روٹیوں کے تانے بانے (AURA) میں بند ہے تو پھر کیا  
فردرت ہے کہ آدمی آٹا گوندھے، روٹی پکائے اور کھانا کھانے کا تکلف کرے۔ یہ  
خیال ہر روز سورج طلوع ہونے کے وقت گہرا ہوتا چلا گیا۔

روشنیوں سے تیار کئے ہوئے کھانے | ایک روز جب میں سورج طلوع ہونے سے پہلے مشرق کی طرف منہ

کئے سانس کی مشق کر رہا تھا تو دماغ میں ایک دریچہ کھلا اور اس دریچہ میں یہ خیال وارد ہوا کہ فضا میں سے وہ روشنیاں اور وہ عناصر جس سے چنے تخلیق ہوتے ہیں میرے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ میں نے جسم مثالی (AURA) کی آنکھ سے یہ دیکھا کہ میرے سامنے بہت عمدہ قسم کے چنے رکھے ہوئے ہیں اور میرا جسم مثالی ان چٹنوں کو کھا رہا ہے۔ دوسرے دن میرے اندر سبب کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پھر دماغ میں ایک دریچہ کھلا اور فضا میں پھیلی ہوئی وہ روشنیاں جو سبب تشکیل کرتی ہیں ایک جگہ مجتمع ہو کر سبب بن گئیں اور میں نے سبب کھائے۔ القصد مختصر خورد و نوش کا یہ سلسلہ متواتر سترہ روز تک قائم رہا۔ ان سترہ دنوں میں کھانے پینے کی کسی چیز کی طرف میرا ذہن متوجہ نہیں ہوا۔ جس چیز کو میرا دل چاہتا تھا یا جسمانی اعتبار سے میرے اندر انرجی ذخیرہ کرنے کا تقاضا پیدا ہوتا تھا، میں سانس کے ذریعے اس انرجی کو اپنے اندر منتقل کر لیتا تھا۔ فضائے بسیدہ میں پھیلی ہوئی ان روشنیوں کے کھانے پینے کے اس عمل سے میرے اندر قلندر شعور کی آنکھ اس قدر طاقتور ہو گئی تھی کہ پتھر اور اینٹ کی دیواریں باریک کاغذ کی طرح نظر آتی تھیں۔ دور پرے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ جو شخص سامنے آتا تھا اس کی سوچ اور اس کے خیالات میرے ذہن کی اسکرین پر منتقل ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں بڑے ہی عجیب تجربات ہوئے۔ جو شخص صورت سے پرہیزگار تھا۔ اس کے خیالات کی کثافت سے دماغ متعفن ہو جاتا تھا اور جو شخص شکل و صورت کے اعتبار سے زاہد اور متقی نہیں تھا

اس کے خیالات کی روشنی، ہلکی اور معطر محسوس ہوتی تھی۔ عجائبات کی ایک دنیا روشن ہو گئی تھی۔

جس طرح سانس کی مشقوں کے ذریعے شعور یا

روشنیوں کے گودام

جسمانی نظام طاقت ور ہوتا ہے اسی طرح شعوری سانس کے ذریعے انسان کی روح میں انوار کے ایسے ذخیرے جمع ہو جاتے ہیں جن ذخیروں سے آدمی فکشن (FICTION) اور مفروضہ حواس سے نکل کر حقیقی دنیا (غیب کی دنیا) میں پہنچ جاتا ہے۔ سانس کی مشق سے انسان کے اندر ذخیرہ کرنے والے موجود چھ اسٹور نور، روشنی اور انرجی سے مہمور ہو جاتے ہیں۔ روح کے اندر یہ چھ اسٹور مختلف مقامات پر ہیں۔ اور ان گوداموں میں چوروشیناں جمع ہوتی ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں۔

پہلے گودام میں زرد رنگ کی روشیناں، دوسرے میں سرخ رنگ، تیسرے میں سفید رنگ اور چوتھے میں سبز رنگ، پانچویں میں نیلا رنگ اور چھٹے میں بنفشی رنگ کی روشیناں جمع ہیں۔ ان رنگوں کے ملاپ (COMBINATION) سے بہت سارے

رنگ بنتے ہیں۔ یہ رنگ دراصل زندگی میں کام آنے والے جذبات کے آئینہ دار ہیں۔

رنگین شعا عین

جدنگاہ سے زمین کی طرف آئے تو آپ کو نیلے رنگ کی تعداد رنگین شعا عین ملیں گی۔ رنگ کا جو منظر ہمیں نظر آتا ہے اس میں روشنی، آکسیجن گیس، نائٹروجن گیس اور قدرے دیگر گیس بھی شامل ہوتی ہیں ان گیسوں کے علاوہ کچھ سارے (SHADES) بھی ہوتے ہیں جو ہلکے ہوتے ہیں یا دبیز، کچھ اور بھی اجزاء، اسی طرح آسمانی رنگ میں شامل ہو جاتے ہیں جس سے فضا

میں ہمیں رنگ کا فرق نظر آتا ہے۔ اس فضا میں نگاہ اور حد نگاہ کے درمیان باوجود مطلع صاف ہونے کے بہت کچھ موجود ہے۔

اول ہم ان روشنیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو خاص طور پر آسمانی رنگ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ روشنیوں کا سرچشمہ کیا ہے اس کا بالکل صحیح علم انسان کو نہیں ہے۔ قوس قزح کا جو فاصلہ بیان کیا جاتا ہے وہ زمین سے تقریباً نو کروڑ میل ہے مطلب یہ ہوا کہ جو رنگ ہمیں اتنے قریب نظر آتے ہیں وہ نو کروڑ میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اب یہ سمجھنا مشکل کام ہے کہ سورج کے اور زمین کے درمیان علاوہ کرنوں کے اور کیا کیا چیزیں موجود ہیں جو فضا میں تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔

جو کرنیں سورج سے ہم تک منتقل ہوتی رہتی ہیں ان کا چھوٹے سے چھوٹا جزو فوٹان (PHOTON) کہلاتا ہے اور اس فوٹان کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں اسپیس نہیں ہوتا۔ اس لئے جب یہ کرنوں کی شکل میں پھیلتے ہیں تو نہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں نہ ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ جگہ نہیں روکتے اس وقت تک جب تک کہ دوسرے رنگ سے نہ ٹکرائیں۔

فضا میں جس قدر عناصر موجود ہیں ان میں سے کسی عنصر سے فوٹان کا ٹکراؤ ہی اسے اسپیس دیتا ہے۔ دراصل یہ فضا کیا ہے؟ رنگوں کی تقسیم ہے۔ رنگوں کی تقسیم جس طرح ہوتی ہے وہ اکیلے فوٹان کی رو سے نہیں ہوتی بلکہ ان حلقوں سے ہوتی ہے جو خود فوٹان بنتے ہیں۔ جب فوٹانوں کا ان حلقوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسپیس یا رنگ وغیرہ کئی چیزیں بن جاتی ہیں۔

کرنوں میں حلقے | سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنوں میں یہ حلقے کیسے پڑے۔ ہمیں تو



یہ علم ہے کہ ہمارے کہکشان نظام میں بہت سے اسٹار یعنی سورج ہیں وہ کہیں نہ کہیں سے روشنی لاتے ہیں۔ ان کا درمیانی فاصلہ کم سے کم پانچ نوری سال بتایا جاتا ہے۔ جہاں ان کی روشنیاں آپس میں ٹکراتی ہیں، وہ روشنیاں حلقے بنا دیتی ہیں جیسے ہماری زمین یا اور سیارے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج سے یا کسی اور اسٹار سے زمین کی تعداد ہمارے کہکشان نظام میں دو کھرب بتائی جاتی ہے ان کی روشنیاں سنکھوں کی تعداد پر مشتمل ہیں۔ اور جہاں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے وہیں ایک حلقہ بن جاتا ہے جسے سیارہ کہتے ہیں۔

**برقی رو کی سرخ** | دماغ میں کھسروں خانے ہوتے ہیں اور ان میں سے برقی رو گزرتی رہتی ہے۔ اسی برقی رو کے ذریعے خیالات، شعور، لاشعور اور تحت الشعور سے گزرتے رہتے ہیں۔ دماغ کا ایک خانہ وہ ہے جس میں برقی رو فولوٹیسٹی رہتی ہے اور تقسیم کرتی رہتی ہے۔ یہ فولو بہت ہی زیادہ تاریک ہوتا ہے یا بہت ہی چمک دار۔

ایک دوسرا خانہ ہے جس میں کچھ اہم باتیں ہوتی ہیں لیکن وہ اتنی اہم نہیں ہوتیں کہ ساہا سال گزرنے کے بعد بھی یاد آجائیں۔ ایک تیسرا خانہ اس سے زیادہ اہم باتوں کو جذب کر لیتا ہے۔ وہ بشرط موقع کبھی کبھی یاد آجاتی ہیں۔ ایک چوتھا خانہ معمولات کا ہے جس کے ذریعے آدمی عمل کرتا ہے لیکن اس میں ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ پانچواں خانہ وہ ہے جس میں گزری ہوئی باتیں اچانک یاد آجاتی ہیں جن کا زندگی کے تار و پود سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک چھٹا خانہ ایسا ہوتا ہے جس کی یا تو کوئی بات یاد نہیں آتی اور اگر یاد آتی ہے تو فوراً اس کے ساتھ ہی عمل

ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی پرندے کا خیال آیا۔ خیال آتے ہی عملاً وہ پرندہ سامنے ہے۔ ساتواں خانہ اور ہے جس کو عام اصطلاح میں "حافظہ" (MEMORY) کہتے ہیں۔

دماغ میں مخلوط آسمانی رنگ آنے سے اور پوست ہونے سے خیالات کیفیئات، محسوسات وغیرہ برابر بدلتے رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انسان ان خیالات کو ملانا سیکھ لیتا ہے۔ ان میں سے جن خیالات کو بالکل کاٹ دیتا ہے وہ حذف ہو جاتے ہیں اور جو جذب کر لیتا ہے وہ عمل بن جاتے ہیں۔ ان رنگوں کے سائے ہلکے، بھاری یعنی طرح طرح کے اپنا اثر کم و بیش پیدا کرتے ہیں اور فوراً اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں تاکہ دوسرے سائے ان کی جگہ لے سکیں۔ بہت سے سائے جنہوں نے جگہ چھوڑ دیا ہے محسوسات بن جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ گہرے ہوتے ہیں۔

**اعصابی نظام** | ہماری تمام اندرونی و بیرونی حرکات کو اعصابی نظام کنٹرول کرتا ہے۔ اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ اعصابی نظام

میں دماغ اور سراسر مغز کے علاوہ ہمارے جسم میں اعصاب کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اعصاب کا کردار بہت اہم ہے کیوں کہ ان ہی کے ذریعے جسم کے مختلف پیغامات دماغ اور سراسر مغز تک پہنچتے ہیں۔ اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں، کیا سُن رہے ہیں اور کیا محسوس کر رہے ہیں۔

اعصابی نظام کا مرکزی کردار دماغ ہے جو کھوپڑی کے اندر بند ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ دماغ کا سب سے بڑا حصہ جو تقریباً پانچ سینٹی میٹر گہرے مرکزی شگاف سے دو نصف کُروں میں تقسیم ہے۔ ان کُروں کو ہم دایاں دماغ اور بایاں دماغ کہتے ہیں۔ دایاں

دماغ جسم کے بائیں حصے کو کنٹرول کرتا ہے اور بائیں دماغ جسم کے دائیں حصے کو کنٹرول کرتا ہے۔

دماغ کی اوپری سطح ایک ہلکے سرخی رنگ کے مادے کی تہ ہوتی ہے اور اس کے نیچے ایک سفید رنگ کا دبیر حصہ ہوتا ہے۔ سفید دماغ سوچ بچار، تفکر، غور و فکر کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہلکے سرخی رنگ کا دماغ وہ جگہ ہے جہاں پر تمام جسم سے پیغامات آتے ہیں اور یہیں سے مختلف پیغامات جسم کو واپس بھیجے جاتے ہیں۔ یہ جسم کے عضلات کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ آنکھ، کان، ناک کی حسوں کے مراکز بھی اسی دماغ میں ہوتے ہیں۔

دماغ کا پھیلا حصہ (MEDULA OBLONGATA) دل کی دھڑکن کو کنٹرول کرتا ہے۔ یوگی جس دم کی مشقوں کے ذریعے اس بات پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں کہ میڈولا میں کسی جن کی کثرت متدار ذخیرہ کر کے طویل عرصے تک بغیر سانس لئے زندہ رہ سکیں۔ وہ کئی کئی سالوں تک مردہ رہ کر دوبارہ جی اُٹھتے ہیں۔ حرام مغز اعصابی نسجوں کا مجموعہ کہ ہے جو کہ ایک لمبی ڈوری کی شکل میں ریڑھ کی ہڈی کے سوراخ میں واقع ہے۔ یہ دماغ اور جسم کے درمیان رابطہ قائم رکھتا ہے اور جسم کو تمام پیغامات کی تقسیم حرام مغز کے ذریعے دیتی ہے۔

دل کے دھڑکنے پھیلنے اور سکڑنے کا عمل برقی زو پر قائم ہے۔ بجلی کی لہریں دل کو پھیلاتی اور سکیرٹی رہتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے کسی مشین کو چلانے کے لئے برقی زو کام کرتی ہے۔

اس طرح ہمارا پورا جسمانی نظام اعصاب کے تانے بانے سے مرکب ہے جس

میں برقی رویا ایکٹریٹی دور ترقی رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہمارا جسمانی نظام برقی رویا روشنی پر قائم ہے اور یہ سارا نظام روشنی سے فیڈ ہوتا رہتا ہے۔

**مراقبہ** | مراقبہ کی تشریح کرتے ہوئے قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں کہ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جس میں انسان دنیاوی حالات و واقعات اور

دنیاوی دل چسپیوں اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ غیب کی دنیا میں داخل ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انسان زمان و مکان سے آزاد نہ ہو یعنی جسمانی گوشت پوست اور جسمانی تقاضوں سے جب تک کوئی آدمی ذہنی طور پر سیکو نہیں ہوتا، غیب کی دنیا میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جسمانی تقاضے سے آزاد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کے اوپر موت وارد ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان جسمانی تقاضوں کو ثانویت دے دے اور جہاں سے جسمانی تقاضے روشنی کی شکل میں نزول کر رہے ہیں ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔

مراقبے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی کسی تاریک گوشے میں جہاں گرمی سردی مچول سے زیادہ نہ ہو، آرام دہ نشست کے ساتھ بیٹھ جائے۔ ہاتھ، پیروں اور جسم کے تمام اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دے۔ اور اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کرے جس کیفیت میں جسم کی موجودگی کی طرف سے ذہن ہٹ جائے۔ سانس گہرائی میں لیا جائے۔ گہرائی میں سانس لینے سے سانس کی رفتار میں بھراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بند کر لی جائیں اور بند آنکھوں سے اپنے اندر بھانکنے کی کوشش کی جائے۔ خیالات اور عمل پاکیزہ ہوں۔ خیالات اور عمل کی پاکیزگی یہ ہے کہ کسی کو برا نہ سمجھے کسی کی طرف سے بغض و عناد نہ رکھے اگر کسی سے تکلیف پہنچی ہے تو انتقام نہ لے اور معاف کر دے۔ ضروریات زندگی اور معاش



کے حصول میں اعضا کا وظیفہ پورا کرے۔ جدوجہد میں کوتاہی نہ کرے لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔ کسی عمل سے یہ محسوس ہو جائے کہ مجھ سے کسی کی ذل آزاری ہو گئی ہے یا کسی کے ساتھ زیادتی ہو گئی ہے تو بلا تخصیص وہ کمزور ہونا تو اہل ہو، تعریب ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس سے معافی مانگ لی جائے۔ آدمی جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔ ذہن کے اندر مال و متاع اور اسباب کی اہمیت نہ ہو۔ اللہ کے پھیلانے ہوئے اور دیئے ہوئے وسائل کو خوش ہو کر استعمال کرے لیکن دنیاوی وسائل کو مقصد زندگی نہ بنائے۔ جس طرح ممکن ہو دامنے، درمنے، قدرے، سخنے اللہ کی مخلوق کی خدمت کی جائے۔

جس شخص کے اندر پاکیزہ خیالات، پاکیزہ اوصاف موجود ہوتے ہیں، مراقبہ کے عمل سے اس کا لطفہ نفسی (لطائف کا ذکر اس کتاب کے پچھلے اسباق میں تفصیل سے آچکا ہے) جلد رنگین ہو جاتا ہے۔ لطفہ نفسی کے رنگین ہو جانے سے شعور کے اندر جلا پیدا ہو جاتی ہے شعور کا آئینہ شفاف ہو جاتا ہے۔

مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جس عمل میں روحانی استاد یا اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ سالک یا روحانی شاگرد کے اندر اگر چوں چرا ہے اور تعمیل نہیں ہے تو مراقبہ کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ مراقبہ میں کامیابی کے لئے اور مراقبہ کا صحیح نتیجہ مرتب ہونے کے لئے خود سپردگی ضروری ہے۔

مراقبہ کے ذریعے انسان عالم ظاہر کی طرح عالم باطن کی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔ جب سالک غیب کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے تو جس طرح وہ عالم ناموت یا اس دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسی طرح وہ

غیب کی دنیا میں نظام شمسی اور بے شمار افلاک کو دیکھتا ہے۔ فرشتوں سے متعارف ہوتا ہے۔ ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کے سامنے وہ تمام حقائق آجاتے ہیں جن حقائق پر یہ کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں برسر عمل ہیں۔ ان روشنیوں کا منبع (SOURCE) کیا ہے۔ یہ روشنیاں کس طرح تخلیق ہو رہی ہیں، افراد کائنات میں کس طرح تقسیم ہو رہی ہیں اور روشنیوں کی مقداروں کی رد و بدل سے کائنات کے نقوش کس طرح بن رہے ہیں۔ سالک کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے کہ روشنیوں کا منبع انوار ہیں۔ پھر اس پر وہ تجلی بھی منکشف ہو جاتی ہے جو روشنیوں کو سنبھالنے والے انوار کی اصل ہے۔

بانی قلندر شعور، قلندر ریابا ادیبارج نے مراقبہ کا ایک مربوط نظام قائم کیا ہے۔ جس طرح کسی بھی علم کو سیکھنے کے لئے شاگرد استاد کی سرپرستی میں الف، ب، پ، ت پڑھتا ہے، پھر جملے بنانا سیکھتا ہے اور اس کے بعد بڑی بڑی کتابیں پڑھنا اس کے لئے معمول بن جاتا ہے اسی طرح مادرائی علوم سیکھنے کے لئے روحانی استاد کی سرپرستی ضروری ہے۔

بین الاقوامی تنظیم "قلند شعور" نے درس و تدریس کے لئے اوپن یونیورسٹی کی بنیاد پر اسباق اور مراقبوں کا ایک نصاب تیار کیا ہے۔ دنیا میں کسی بھی مقام پر موجود ماورائی علوم سیکھنے کے خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتوں پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں:

MURQAHA HALL

414, LOWER BROUGHTON

ROAD, SALFORD, M-7-9FU

TEL: 061-792-5995

مرکزی مراقبہ ہال

سرخانی ٹاؤن، نزد کے - ڈی - اے آفس

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۱۸۰

کراچی - پاکستان

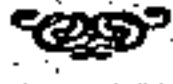
# سوانح حیات بابا تاج الدین ناکیوڑی



تخلیقی فارمولوں کے ماہر، عظیم محقق و واقف اسرار کائنات شہنشاہ ہفت تسلیم حضرت بابا تاج الدین ناکپوڑی کے سماوی اور مخفی علوم، کشف کرامات کی سائنسی توجیہ اور فیض یافتہ حضرات کے حالات زندگی خواجہ شمس الدین عظیمی کے روحانی فرزند سہیل احمد عظیمی نے ساہا سال کی عرق ریزی کے بعد قلمبند کیا ہے۔



روحانی علوم کے متلاشی اور اولیاء اللہ سے نسبت رکھنے والے حضرات و خواتین کے لئے یہ کتاب ایک نایاب تحفہ ہے۔



کتاب ادارہ روحانی ڈائجسٹ کے معیار کے مطابق شائع کی گئی ہے۔

قیمت: ۴۵ روپے

ہر بکسٹال سے دستیاب ہے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ کے ۱۳ ناظم آباد، کراچی  
فون: ۶۱۶۴۴۲ / ۶۲۴۷۸۶



کائناتی نظام تخلیقی فارمولوں اور  
روحانی سائنس کی پہلی کتاب

ابدال حق قائد ربابا اولیاء نے  
سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے  
لکھی ہے

آسانی دنیاس میں داخل ہونے کے  
لئے یہ الہامی کتاب  
روح و قلم  
نوع انسانی کا ورثہ ہے

اپنے قریبی بک انشال راہم سے طلب فرمائیں  
مکتبہ روحانی داجسٹ  
۱۳ کے ۱۳  
ناظم آباد کراچی ۱۸

تذکرہ

# قلندر بابا اولیاء

خواجہ شمس الدین عظیمی

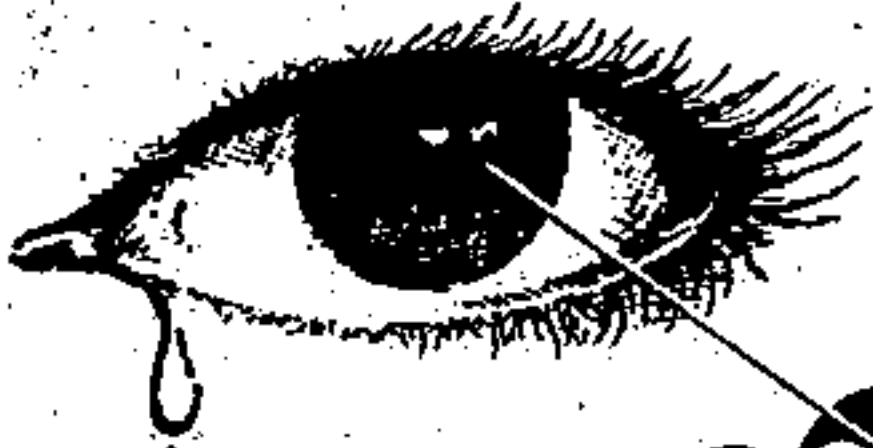


یہ تذکرہ ہے اس بات سے متعلق کہ اولیاء اللہ کی طرز فکر کیا ہوتی ہے اور وہ کون سے علوم ہیں جن سے کشف و کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کتاب میں سلسلہ عظیمیہ کے امام ابدال حق قلندر بابا اولیاء کی تعلیمات، شجرہ، ان سے صادر ہونے والی کرامات اور سلسلہ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب تذکرہ قلندر بابا اولیاء اتنے سادہ اور دلنشین انداز میں لکھی گئی ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد آدمی پوری کتاب پڑھ لینا چاہتا ہے۔

## مختصر فہرست

قلندر کسے کہتے ہیں، روحانی تربیت، بیعت، مقام ولادت، نسبت، فیضان، دربار رسالت میں ماموری، کشف و کرامات، کبوتر زندہ ہو گیا، گونگی لڑکی بولنے لگی، بھوک لگی پھیلی آٹھی، فرشتے کسے ہوتے ہیں، پسینہ میں مشک کی خوشبو، جنگل اور جنگلی کبوتر، ہر شے میں اللہ نظر آتا ہے، زمین پر بھادو، جوڑوں میں درد غائب، جن مرد اور جن عورتیں، خواجہ عزیز نواز، ابو علی شاہ قلندر، شاہ عبداللطیف بھٹائی سے جسمانی ملاقات، درخت بھی باتیں کرتے ہیں، لعل شہباز قلندر کی روح سے باتیں، سہ کاغذ، صاحب خدمت بزرگ، نیلم کی انگوٹھی، ایک لاکھ روپے خرچ ہو گئے، قلندر کی نماز، علم لدنی کیلئے، مستقبل کا انکشاف، اولیاء اللہ کے پیکر جسم ہوتے ہیں، جسم مثالی کسے کہتے ہیں، آپریشن سے نجات، رسولی کا علاج، پولیو کا علاج، پانی کا قطرہ موقی کیسے بن گیا، ان کے علاوہ اور متعدد عنوانات،

مکتبہ تاج الدین بابا، پوسٹ بکس ۲۲۱۳، نائٹم آباد، کراچی ۱۸



اپنے  
ماورائی دماغ  
(COMPUTER)  
سے کام لے کر مصائب و  
مشکلات پریشانیوں اور  
دوسرے بے شمار گمراہیوں  
سے نجات پائیے۔

# ڈیجیٹل سیکھنے

ہر انسان کا دماغ قدرت کا بنایا ہوا ایک کمپیوٹر ہے۔ اس کمپیوٹر  
میں دو کھرب سے زیادہ آلات ہیں۔ جب ہم اپنے اندر اس کمپیوٹر کو چلانا  
سیکھ لیتے ہیں تو ہماری آنکھ غلا کے اُس پار دیکھنے لگتی ہے۔ ہم دور دراز  
ناصلوں پر اپنے دوستوں، اپنے عزیزوں اور اپنے پیاروں کو پیغام بھیج سکتے ہیں۔ اور ان کے  
پیغامات سن سکتے ہیں۔

عظیم روحانی سائنس دان قلندر بابا اولیاء کے شاگرد رشید خواجہ شمس الدین عظیمی نے روحانی سائنسی  
برقی اور مقناطیسی ELECTROMAGNETIC تجربات اور فارمولوں پر ایک کتاب مرتب  
کی ہے۔ کتاب ٹیلی بیٹھی سیکھنے پڑھ کر پرسکون زندگی گزارنے، خوش رہنے  
اور دوسروں کو غم و آلام سے نجات دلانے۔ قیمت: ۳۵ روپے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، نلم آباد، کراچی ۱۸

اسی رعیت  
لے کر لے

اسیب کا علاج

# رحمانی عسل

خواجہ شمس الدین عظیمی

آفت ارضی و سماوی  
موتیا اور پڑبال  
رقونڈہ یا شب کوری  
نگاہ کی کمزوری  
آنکھوں میں پھولایا زسنگھا  
آنکھ کا ناسور  
بھینٹگان  
آنکھوں کے سامنے خون تیرنا  
ہوا نظر آنا  
امدادِ غیبی  
استخارہ  
امتحان میں کامیابی  
الرحی  
اختلاج قلب  
انزیمیا  
آنٹوں میں زخم  
آنٹوں کی دق  
آنٹوں میں خشکی  
آنت اترنا  
پیٹ میں پانی بھر جانا  
اعصاب کی کمزوری  
اعضاء کا بوجھ ہونا  
اولاد کا نافرمان ہونا  
احساس کمتری  
اُداسی  
حام بخار  
بادی کا بخار  
طائفانہ، موتی بھرہ  
عیادی بخار، خسرہ  
أم الصبیان (سوکھا)

کان کا درد  
کالی کھانسی  
بستر میں پیشاب کرنا  
مٹی کھانا  
ضد کرنا  
پیٹ میں کیرے  
دانت لگنا  
نظر لگ جانا  
کان سے پیپ آنا  
بہر آ یا گونگا ہونا  
خواب میں ڈرنا  
بچوں کا کم ہو جانا  
بھوک نہ لگنا  
حافظہ کمزور ہونا  
پڑھنے میں دل نہ لگنا  
بدن پر کالے داغ  
بری عادت سے نجات  
بلڈ پریشر نروس بریک ڈاؤن  
دماغی امراض  
بہ خوابی سے نجات

بدن میں درد  
بیماری کے بعد کمزوری  
بچھو یا سانپ کے کاٹے کا علاج  
سر کے بال جلنے کرنے کے لئے  
بغل میں گھٹیاں  
بیہوشی سے ہوش میں لانا  
بہن بھائیوں کا آپس میں جھگڑنا  
برکت کے لئے  
بدبختی کی وجہ سے پریشانی  
بواسیر  
برص (سفید داغ)  
بیماری جو سمجھ میں نہ آئے  
پیشہ کے امراض  
پیشہ پیش  
پسیلوں میں درد  
پائیریا  
پیٹ کا بڑھنا اور ٹوٹنا یا کم کرنا  
ٹانگوں کے پتھوں کا بیکار ہونا  
پتی اچھلنا

پسلی چلنا اور نمونیا  
پیشاب میں خون آنا  
پیشاب رک رک کر آنا  
پیشاب بار بار آنا  
مشانہ کی کمزوری  
سوزاک  
آتشک  
تبادلہ کی منسوخی  
تبادلہ کرنے کے لئے  
تسخیر کے لئے  
تشخیص امراض  
تلی کا علاج  
تشخیج اور بدن میں جھکے لگنا  
ٹونسلز اور گنڈھ مالا  
ٹی بی (تپ دق)  
جگر کے تمام امراض  
جوانی میں بچپن کی شکل  
چہرے میں کشش پیدا کرنا  
جالڑوں میں دودھ کی کمی  
جنسی کشش پیدا کرنا

جادو کا توڑ  
جنت کے لئے حاضرانہ  
چوری کی عادت چھڑانا  
چوری شدہ مال کا  
واپسی  
جس ریاچ (گیس)  
حسب و لحواہ شادی  
حفاظت دوران سفر  
خون کی کمی  
دماغی توازن کی خرابی  
دانت پیسنے کی عادت  
دمہ  
داد  
دانتوں کے جلا امراض  
درد کہیں بھی ہو  
ڈپتھریا (خناق)  
زیادہ بیٹیس  
رعشہ زسولی  
شہر اور بیوی کے معاملات  
طاعون  
عورتوں کے جلا امراض  
غصہ کی زیادتی  
فساج اور لقوہ  
فسچولایا بھگندہ  
تسرخ سے متعلق  
قیدی کی رہائی  
قد میں اضافہ  
قبولیت و دعا  
کینسر یا سرطان  
اور مزید ۱۳۸ مسائل کا حل

مکتبہ تاج الدین بابا پوسٹ بکس ۲۲۱۳۳ ناظم آباد کراچی ۱۸



# قلند شعوور

خواجہ شمس الدین عظیمی

29  
ق  
119